حقیقت تشیع

صباح علی بیاتی

مترجم: سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

انتساب

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو نازش روزگار، وارث علم کردگار، حامل علم رسول مختار، ناظر گردش لیل و نہار، شیعیت کی محور و مدار، نور چشم صاحب ذوالفقار، قائم آل محمد، یوسف حضرت زہرا (س)، حضرت حجتؑ کی پاک بارگاہ میں پیش کر کے، قبولیت کا متمنی ہوں۔

سید مبین حیدر رضوی

فہرست مطالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے، کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے، حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔ اسلام کے مبلغ و مؤسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھو دیتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گراں بہا میراث کہ جس کی اہل بیت ۲۲۲ اور ان کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت ۲۲۲ نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور

دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متأثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت ٢٢٢ کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(اہل بیت، عالمی کونسل) مجمع جہانی اہل بیت ٢٢٢ نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیت، عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا، وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت، عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خون خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت ٢٢٢ کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علاّم صباح علی بیاتی

کی گرانقدر کتاب ''حقیقۃ التشیع''، کو فاضل جلیل جناب مولانا سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت ؑ

کچھ اپنی باتیں

یہ زمانہ ترقیاتی و تحقیقاتی زمانہ ہے، اس دور میں کسی حقیقت تک رسائی اتنا مشکل نہیں جتنا گذشتہ چند صدیوں قبل تھا ،اگر کوئی شخص کسی مذہب یا فرقہ کے عقائد و افکار و نظریات کو جاننا چاہتا ہے تو عظیم کتاب خانے یا وہی کتب،کم حجم ''سی ڈیوں'' میں موجود ہیں، لیکن اگر تحقیق و تفحص کا در چھوڑ کر صرف اندھی تقلید کی جائے اور صرف وہی راگ الاپے جائیں، جن کو کچھ لوگ صرف عناد و عصبیت کی بنا پر لوگوں کے درمیان پھیلا گئے تو قطعاً معقول و منطقی نہیں ہوگا.اس عصر کے محققین و مولفین انھیں جیسے مسائل سے دوچار ہیں اور ادیان و مذاہب بالخصوص فرقۂ شیعہ کے سلسلہ میں بالکل انصاف سے کام نہیں لیتے بلکہ آنکھوں پر اندھی تقلید کی عنادی پٹی باندھ کر صرف گذشتہ کتابوں پر اندھا دھند بھروسہ کیا، جن کے راوی ساقط الاعتبار ،اور ثقہ کی منزلوں سے دور ہی نہیں بلکہ بعض تو بالکل خیالی و موہومی تھے۔

یہ بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ مذہب تشیع پر جتنا کیچڑ اچھالا گیا اور لعن و طعن کا مرکز بنایا گیا اتنا کسی فرقہ کے سلسلہ میں نہیں ہوا،اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مذہب حق ہمیشہ ظالم و جابر و غاصب حکومتوں کو للکارتا رہا اور کسی حاکم کے تخلیقی مذہب کے سائے تلے چلنے کو تیار نہیں ہوا جس کے سبب ہر زمانہ میں ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا،ابتدائے اسلام میں کفار و مشرکین مقابل تھے جنگوں میں یہودی اور دشمنان اسلام برسرپیکار تھے، رسولؐ کی حیات اور بعد وفات، منافقت علم قد کئے تھی،اور بعد میں اموی و عباسی خلفاء نے خاطر خواہ اس بات کی کوشش کی کہ یہ مذہب اور اس کے ماننے والے یا تو ختم ہو جائیں اور اگر جیتے ہیں تو روسیاہ روزگار بن کر...وہ بیج جس کو فاسق اموی حکام نے بویا تھا، عباسی خلفاء نے اس کی آبیاری کی،اور بعد کے سلاطین نے اس کو خوب ہوا دی،یہاں

تک کہ طبری نے عبد اللہ بن سبا نامی ایک راوی بھی خلق کر ڈالا۔۔اور ان کے بعد کے افراد نے وہی کچھ دہرایا جو آموختہ اموی و عباسی حکمرانوں نے تیار کیا تھا۔یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں انھیں حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور حقیقت تشیع کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس بات کی مکمل وضاحت کی گئی ہے کہ شیعیت پر ناروا تہمتیں لگانے کا اصل راز کیا ہے، غلو کیا ہے؟ اور غلاۃ کون ہیں؟ ان کے بارے میں اہل بیت،اور شیعہ اثنا عشری علماء کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ اور ان جیسے بہت سارے دلچسپ سوالوں پر بڑی عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ مجمع جہانی اہل بیتؑ ایک عالمی ادارہ ہے جس کا نصب العین تشیع کی خدمت ہے یہ کتاب مجمع جہانی اہل بیتؑ کی پیشکش ہے کتاب کا اصلی نام ''حقیقۃ التشیع'' ہے جو کہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے اس کی افادیت کا علم مطالعہ کے بعد ہی ہوگا. صاحبان علم و ادب سے مفید نظریات کی امید ہے۔

خاکپائے اولاد زہرا (س)

سید مبین حیدر رضوی بلرام پوری

عرض مجمع جہانی

انسان کی فطرت میں اختلافات ہے لیکن پروردگار چاہتا ہے کہ یہ اختلافات مثبت رخ اختیار کریں اور دائرۂ ایمانی میں صحیح رخ سے نظریاتی اختلاف ہوں، خاص طور سے ایسے اختلاف جس سے کوئی مثبت پہلو نکل سکے. لہٰذا ایسا ثابت معیار ضروری تھا جس کی طرف اختلاف کرنے والے رجوع کریں۔ اسی کے پیش نظر اس نے کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے بے تکے اختلافات کا فیصلہ ہو سکے[1]۔ اس قرآن کریم کے بغیر حیات انسانی سنبھل نہیں سکتی. قرآن کریم کا مقرر کردہ یہ قانون توحید مطلق کے اصول پر قائم ہے. اس کے بعد انحراف واختلاف و افسانے وجود میں آئے ہیں اور لوگ اصل حق و مرکز سے بہت دور چلے گئے ہیں، یہاں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کبھی بھی افراد ملت حق و باطل کا میزان نہیں بن سکتے جب تک وہ ہوا و ہوس اور بغاوت و گمراہی کے شکار ہیں۔ اسی سبب قرآن آیا پھر بھی ہوائے نفس ادھر ادھر سے انسانوں پر غالب ہوتے رہے، طمع ورزی، ہوا و ہوس، خوف و گمراہی نے لوگوں کو حکم قرآن ماننے سے دور رکھا اوران لوگوں کو حق کی جانب واپس آنے سے روکے رکھا، لہٰذا بغاوت (قرآنی نص کی روشنی میں) وہ ہے جوانسان کو اس جانب لے گئی جہاں اختلاف، عناد، اور دنی النفسی تھی۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳

اختلاف و تفرقہ کا دوسرا سبب جہالت بنی، جبکہ جاہل کو عالم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہیئے جو اس کو نہیں آتا، حکم خدا ہے: (فَاْسءلُوا أہلَ الذّکرِ اِن کُنتُم لاتَعلَمُون[۱])اگر تم کسی چیز کا علم نہیں رکھتے تو صاحبان علم سے سوال کرو۔اسی لئے جاہل کا اس عقل پسند اصل سے آگے بڑھ جانا ان واضح قواعد سے آگے بڑھ جانا تھا جن کی شان یہ تھی کہ راہ اختلاف کو بند کر دیں۔اسلام وہ ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے جس کی حقیقتیں کتاب خدا اور اس کے رسولؐ کی سنت کی صورت وجود میں آئیں جو کبھی اپنی مرضی سے کلام نہیں کرتا۔اللہ اور اس کا رسول یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اس کے بعد لوگ ضرور اختلاف کے شکار ہو جائیں گے جس طرح حیات رسولؐ میں اختلاف کے شکار ہوگئے تھے۔اسی کے پیش نظر قرآن نے رسولؐ کے بعد امت کے لئے ایسے چراغ قرار دیئے جو رسولؐ کے نقش قدم پر چلیں اور لوگوں کے سامنے ان باتوں کی تفسیر پیش کریں جن کو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں.اور وہ ذوات مقدسہ، اہلبیت کرامؑ ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو رجس و پلیدگی سے پاک ہیں، انھیں کے جد محترم حضرت محمد عربیؐ کے قلب پاک پر قرآن نازل ہوا،اور انھوں نے قرآن کو رسولؐ سے حاصل کیا اور اس کے حقائق کو درک و محفوظ کیا،اور خدا نے ان کو وہ فضائل عطا کئے جوان کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئے،جیسا کہ رسول اکرمؐ نے حدیث ثقلین میں ان کی مرکزیت و مرجعیت کا اعلان کیا، لہٰذا یہ لوگ ہمیشہ شریعت محمدی کی حفاظت اور قرآن کریم کی غلط تفسیر اور غلط فہمی سے لوگوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں رہے اور ہمیشہ اس کے بلند و عظیم مفاہیم کو بیان کرنے کی کوشش کی۔لہٰذا امت کے مرجع اور مسلمین کے ملجأ و ماویٰ بنے، انھوں نے شبہات کا دفاع کیا اور سوالات کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور لوگوں نے سوال کرنے والوں کے ساتھ ان کے حسن رفتار کو بخوبی درک کیا ،جواس بات پر دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنے جواب میں کس طرح عمیق ہیں اوراس پر دسترسی رکھتے ہیں، اور لوگوں پر ظاہر ہوا کہ یہ مقابلہ کے میدان میں ان کے علمی مرجع ہیں۔

[۱] سورۂ انبیاء، آیت۷، سورۂ نحل، آیت ۴۳

میراث اہل بیتؑ جس کو ان کے مکتب نے محفوظ رکھاہے اوران کے مکتب فکر کے افراد اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کوشاں رہے ہیں، یہ میراث ایسے مکتب کا پتہ دیتی ہے جو معارف اسلامی کی مختلف فروع کا مجموعہ ہے، اس مکتب نے اتنی استطاعت پیدا کرلی کہ ایسے افراد کی تربیت کر سکے جو اس شیرین چشمہ سے بقدر کفایت حاصل کر سکیں ،اوراس نے ملت مسلمہ کے لئے ایسے نادر روزگار علماء کرام پیدا کیئے جو مقصد اہل بیتؑ کو فروغ دے سکیں. اور مختلف مذاہب و مکاتب فکر کی جانب سے اٹھنے والے سوالات، چاہے داخل اسلام ہوں یا خارج اسلام، ان کا مدلّل و مسکت جواب دے سکیں اور یہ سلسلہ صدیوں کے ساتھ چلتا رہا ہے۔ مجمع جہانی اہلبیتؑ نے اس بات کی انتھک کوشش کی ہے کہ جو ذمہ داری اس نے اپنے کاندھوں پر اٹھائی ہے یعنی حریم رسالت اور اس کے حقائق کا دفاع کر سکے جس پر اسلام دشمن مکاتب فکر نے غلبہ پا رکھا تھا مجمع جہانی اہل بیتؑ نے اہل بیتؑ اور ان کے مکتب، ان کے پیروکاروں کی راہ کو اختیار کر رکھا تھا جو پے در پے چیلنجوں کا جواب دینے کے لئے آمادہ تھے مجمع جہانی نے ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ ہر زمانے میں مناسب طرز کی بنیاد پر خطرات کا مقابلہ کرتا رہے۔ مکتب اہل بیتؑ سے وابستہ علماء کی کتب میں موجود تجربیات اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہیں، اس لئے کہ یہ علمی سرمایہ ہیں جو عقل و دلیل کے ذریعہ فیصلہ کرتے ہیں اور خواہش نفسانی اور عصبیت سے دور ہیں، اور علماء و مفکرین کو الٰہی دعوت فکر دیتے ہیں کہ جس کو عقل قبول کرے اور فطرت سلیم مان لے۔ مجمع جہانی اہل بیتؑ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ حقیقت کے طلبگاروں کے لئے ان مفید تجربوں کو نئے ڈھنگ یعنی گفتگو و مذاکرات اور شبہات کے جوابات کی شکل میں پیش کرے، جو گذشتہ ایام یا ان دنوں جو بالخصوص اسلام کے خلاف کینہ و حسد کا زمانہ ہے اور انٹرنیٹ وغیرہ کے حوالہ سے نت نئے مسائل سر اٹھاتے ہیں ان کا منہ توڑ جواب دے۔

مذموم یورش سے دوری اور عقل سلیم نیز حق کے طالب نفوس میں انقلابی فکر پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہیں تاکہ وہ حقائق آشکار ہوسکیں جس کو مکتب اہل بیتؑ نے اس زمانے میں پوری دنیا کے لئے پیش کیا ہے جس میں تیزی کے ساتھ عقلیں کمال تک پہنچ رہی ہیں اور نفس و روح میں رابطہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس بات کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ابحاث کا یہ مجموعہ اس گروہ نے تیار کیا

ہے جس کے نگراں اعلی شیخ ابو الفضل اسلامی (علی) ہیں اور ان کا ساتھ ان افاضل نے دیا ہے: سید مندر حکیم، شیخ عبد الکریم بہبانی، سید عبد الرحیم، صباح علی بیاتی موسوی، شیخ عبد الامیر سلطانی، شیخ محمد امینی، شیخ محمد ہاشم عاملی، سید محمد رضا آل ایوب، شیخ علی بہرامی، حسین صالحی، عزیز عقابی، حفظہم اللہ تعالی۔ ہم اصحاب فضل و تحقیق شیخ ہادی یوسفی غروی، شیخ جعفر الہادی، استاد عبد الحمید کے بہت ہی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ان تمام بحثوں کے مجموعہ پر بڑی زحمات برداشت کیں۔ ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ جو کچھ اپنی سکت بھر اپنے فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو در حقیقت رسالت الٰہی کا ابلاغ ہے خدا اس کو قبول کرے، یہ وہ رسالت ہے جس کو خدا نے اپنے عظیم رسول کے اوپر نازل کیا تاکہ یہ دین تمام ادیان عالم پر غالب آجائے اور خدا اس گواہی پر کافی ہے۔

مجمع جہانی اہلبیت، قم المقدسہ (ایران)

حقیقت تشیع اور اس کی نشو و نما

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی محمدؐ و آلہ الطاہرین و صحبہ المنتجبین۔ جدید و قدیم محققین و مولفین کے نزدیک حقیقت تشیع اور اس کی نشو ونما بہت ہی توجہ کا حامل رہی ہے اس سلسلہ سے بہت ہی افکار و نظریات کی رد و بدل ہوئی ہے. اکثر مولفین نے یہ نظریہ دیا ہے کہ شیعہ وہ فرقہ ہے جو کہ عقائد کی تقسیمات کے دور میں وجود میں آیا ہے اور امت مسلمہ کی جانب سے بہت ہی بسط و تفصیل کا موضوع قرار پایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عقائدی اختلافات سیاسی تقسیمات کے سبب وجود میں آئے ہجرت سے لیکر تقریباً نصف صدی سے کم مدت میں یہ کام ہوا ہے اور وہ حادثات جن کے سبب مسلمان مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے اور ایک دوسرے کا خون حلال گردانںے لگے، اور ہر فرقہ یہ سمجھنے لگا کہ صرف وہی حق پر ہے اور اس کا حریف گروہ باطل پر ہے، اسی کے سبب اسلامی

فرقے اپنے نظریات کو ڈھالنے کے درپے ہوگئے اور اس کام کے لئے انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی غلط تاویل بھی کی،اس وقت یہ مسئلہ اور ہی خطرناک رخ اختیار کر گیا۔

جب ان فرقوں نے مناظرے شروع کر دیئے اور عصبیت کے سبب احادیث رسولؐ کے سلسلہ میں جرأت و جسارت سے کام لیا، اور حدیثوں کو گڑھنا اور بے جا و غیر مناسب جگہ منسوب کرنا شروع کردیا جس کو وہ اپنی نظر میں بہتر سمجھتے تھے،اوردوسرے فرقہ کی مذمت میں جعلی حدیثوں کا دھندا شروع کردیا ،ان جعلی اور جھوٹی حدیثوں میں ایسی حدیثیں بھی وجود میں آئیں ''؛سیکون فی امتی قوم لھم نبزیقال لھم الروافض اقتلوھم فانھم مشرکون'' (عنقریب میری امت میں ایک گروہ پیدا ہوگا جن کی عادت دوسروں کو برے نام سے یاد کرنا ہوگی جن کو رافضی کہا جائے گا،ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرکین ہیں)جبکہ فرقوں کے سلسلوں میں کتابیں لکھنے والوں کے نزدیک یہ رائج ہے کہ جناب زید بن علی بن الحسینؑ نے رافضی کا نام،ان افراد کو دیا جنھوں نے آپ کے قیام میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا.یہ لفظ اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ،اہل سنت مخالف فرقوں کے لئے استعمال کئے گئے،جبکہ حیات رسولؐ میں بالکل نہیں پائے جاتے تھے ۔احادیث متواتر میں ایک وہ حدیث جو فرقوں کی تہتر قسموں پر تقسیم کے سلسلہ میں ہے کہ ایک نجات یافتہ ہے بقیہ سب جہنمی،اس کو سب نے نقل کیا ہے.اور ہر فرقہ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کرلے جائے،کہ اس کامیاب فرقہ سے مراد ہم ہیں اور ہمارے علاوہ سب جہنمی ہیں۔اس وقت تو اور مٹی خراب ہوگئی، جب شب و روز کی گردش کے ساتھ یہ عقائد سرایت کرنے لگے اور یہ جعلی حدیثیں، حدیثی مجموعوں میں شامل ہوگئیں اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ کلام نبیؐ ہے جب کہ یہ اسماء و اصطلاحیں حیات رسولؐ اور ان کی وفات کے بعد کچھ دن تک بالکل رائج نہیں تھیں اور لوگوں کے درمیان اس وقت پھیلنا شروع ہوئیں، جب کلامی ''معرکہ'' شعلہ ور ہونے لگے اور یہ اس وقت وجود میں آئے، جب اجنبی ثقافت والے مسلمان ہونے لگے یا مسلمان ان ثقافتوں سے متاثر ہونے لگے، جن کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا، ہر مکتب فکرنے اپنے عقیدہ کے لئے الگ فلسفہ بگھارنا شروع کردیا اور ان اصطلاحوں کی خول پہن لی جن کو یونانی، ایرانی، ہندستانی، فلسفیوں نے ایجاد کیا تھا ۔

جب تدوین و ترتیب کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا اور اسلامی مفکرین مختلف علوم و فنون میں دسترسی حاصل کر رہے تھے، اس وقت مختلف مکاتب فکر کے افراد نے خلافت و امامت اور اسلوب خلافت کے سلسلہ میں مناظرہ کرنا شروع کیا. مصیبت اس وقت آئی جب ادیان و مذاہب پر کتابیں لکھی جانے لگیں، کیونکہ اس میدان میں قلم فرسائی کرنے والے شہرستانی و بغدادی جیسے بیشتر افراد کا تعلق ان اہل سنت سے تھا جو امت اسلامیہ کی اکثریت کے نظریہ کو مجسم کرتے تھے۔ یہ ساری تالیفات کا مرکز ایک معین نقطہ تھا اوران کی کوشش یہ تھی کہ اسلامی فرقوں کو تہتر فرقوں میں تقسیم کرنا ہے اس کے بعد بہتّر (۷۲) کو گمراہ ثابت کر کے ایک فرقہ کو نجات یافتہ بنانا ہے اور وہ فرقہ اہلسنت و الجماعت کا ہے، اور دیگر فرقے جن میں سے ایک شیعہ بھی ہے ایک بدعتی اور راہ حق سے گمراہ فرقہ ہے، اسی کے سبب اس فرقہ کے وجود و عقائد کے سلسلہ میں نظریاتی اختلاف ہوئے، کبھی یہ کہا گیا کہ یہ فرقہ عبد اللہ بن سبا کی تخلیق ہے اور اس کے عقائد کی بنیاد یہودی ہے اور کبھی اس کا ڈھونگ یہ رچایا گیا کہ یہ فرقہ ایرانیوں کے مرہون منت ہے اور اس کے افکار و عقائد مجوسیوں سے متاثر ہیں، دوسرے مقامات پر یوں بدنام کیا گیا کہ اہل بیتؑ پر از حد مظالم، جیسے کربلا میں حضرت امام حسینؑ اور ان سے قبل حضرت امیرؑ کی شہادت، کے رد عمل کے طور پر یہ فرقہ وجود میں آیا۔ اس طرح اس فرقہ کی نشو و نما کی تاریخ کے سلسلہ میں اقوال بے شمار ہوگئے، بعض نے یوں غم غلط کیا کہ اس کا وجود سقیفہ کے حادثہ کے بعد ہوا ہے، بعض نے یوں دل کا بوجھ ہلکا کیا کہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں فتنوں کے بعد رونما ہوا ہے، بعض نے یوں آنسو پونچھے کہ جمل یا صفین یا شہادت امام حسینؑ کے بعد معرض وجود میں آیا۔ ظہور تشیع کے سلسلہ میں اس تشنہ نظریہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرح شیعیت کے عقائد کی بالکل معرفت نہیں رکھتے، یہ امت مسلمہ کی سوچ اور باطل عقیدہ کے مطابق عام امتوں کی طرح ایک دم وجود میں نہیں آئی ہے، بلکہ یہ اسلام کے عقائد کا مکمل اور حقیقی مظہر ہے. اس کی بنیاد رسول اکرمؐ نے رکھی ہے اور روز بروز اہلبیت کرام کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے۔

اہلبیتؑ نے اس کے رموز و اسرار بیان کئے ہیں اور شبہات کا جواب دیا ہے اور سفاک مزاج افراد کے مد مقابل رہے ہیں. اہل بیتؑ کی کسر شان کرنے کے مقاصد میں ایک اور اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹ جائے،اسی لئے بعض افراد نے خلط ملط کیا۔چنانچہ انھوں نے شیعوں میں سرایت کرنے والے ان افراد کے عقائد کو شیعوں کی طرف یہ کہہ کر منسوب کردیا کہ یہ شیعی فکر اور عقیدہ کا مظہر ہیں،جو اسلام کی بربادی چاہتے ہیں اور اسلام میں آمریت کے قائل ہیں۔وہ تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ شیعیت ان تمام تخریبی افکار کی پناہ گاہ بن چکی ہے جن کا مقصد عربیت اور اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔

متقدمین اسی نظریہ پر چلے اور آنے والے افراد نے ان کی اتباع کی۔واقعی افسوس کا مقام ہے کہ اس عصر کے محققین نے شیعہ و تشیع پر لعن طعن صرف گذشتہ افراد کے اقوال پر بھروسہ کے سبب کرنا شروع کردیا اور انھوں نے اتنی زحمت برداشت کرنا گوارہ نہ کی، کہ ہر فرقہ کے عقائد و نظریات کو بخوبی درک و تحقیق کریں،خاص طور سے اس جدید ترقیاتی دور نے ہر طرح کی تحقیق کا موقع فراہم کردیا ہے اور تمام طالبان حقیقت کے لئے علمی بحث کے وسائل فراہم کردیئے ہیں۔ حقیقت کو درک کرنے کے لئے ایک محقق کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعصب سے کام نہ لے اور اگر یہ شرط ختم ہوگئی تو پھر اس کی تحریروں سے حقیقت کے ظاہر ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔اس زمانہ میں ایسے محققین کا فقدان نہیں ہے خاص طور سے بعض شرق شناس (مستشرقین) ہیں جنھوں نے حق کے سوا کسی چیز کو نہیں تلاش کیا اور حق و حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا،جیسا کہ شیعہ مولفین و محققین نے اس حوالہ سے کتابیں تصنیف کیں اور راہ حق میں تحقیق کی تاکہ اس راہ میں جو بھی حق کو تلاش کرنا چاہے اس کے لئے آسانی ہو۔ہماری ان بحثوں کے ضمن میں ایک ناچیز کوشش یہ بھی ہے اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس سے مکمل طور پر ہر وہ شخص استفادہ کرے جو انتفاع کا ارادہ رکھتا ہے یا کچھ حق سننا چاہتا ہے، خدا اس پر گواہ ہے اور خدا سب کی نیتوں سے بخوبی واقف ہے۔

پہلی فصل

اسلام اور تسلیم

مشہور لغت داں، ابن منظور کے بقول اسلام اور تسلیم یعنی: اطاعت شعاری۔ اسلام، شرعی نقطۂ نظر سے یعنی: خضوع کے ساتھ شریعت کے قوانین کا اعتراف اور نبی اکرمؐ کے لائے ہوئے احکام کا پابند ہونا ہے اور انھیں امور کے سبب خون محترم اور خداوند تعالیٰ سے برائی ٹالنے کی التجا کی جاتی ہے. اور ثعلب نے مفید و مختصر طور پر کتنی اچھی بات کہی ہے کہ: اسلام، زبانی اقرار کا نام ہے اور ایمان دل سے اعتراف کا. اسلام کے بارے میں ابابکر محمد بن بشار نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں شخص مسلمان ہے تو

اس سے دو بات سمجھ میں آتی ہے۔ ۱۔ وہ احکام الٰہیہ کا تابعدار ہے۔ ۲۔ عبادت خداوندی میں مخلص ہے[1]۔یہاں پر ہم دونوں کے درمیان فرق پیدا کر سکتے ہیں جو کہ پہلی فرصت میں آسانی سے بیان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ''استسلام لامر اللہ'' (احکام الٰہیہ کی تابعداری) اور ''اخصلاص للعبادۃ'' (عبادت خداوندی میں خلوص) کے درمیان فرق ہے۔

پہلے معنی کے رو سے اسلام اس حقیقت ایمان سے زیادہ وسیع دائرہ رکھتا ہے جو انسان کے پروردگار کے رابطہ کو مضبوط کرتا ہے کیونکہ حکم خدا کی تابعداری، اوامر و نواہی الٰہی کی مکمل پیروی پر مشتمل ہے اور حکم خداوندی پر اپنی رائے کو مقدم نہ کرنا ہے۔ اسی کے پیش نظر مسلمان جو کچھ نبی اکرمؐ لائے ہیں ان کے سامنے سر اطاعت خم کردیتاہے کیونکہ آپ خدا کی جانب سے آئے ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ آپ پر وحی کا نزول ہوتا ہے وہ چاہے احکامات شریعت ہوں یا عبادات کی ادائیگی، آپسی اختلافات ہوں یا نظریاتی چپقلش اور یہ سب خدا کے اس حکم کے پیش نظر ہے۔ (وَ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَ مَانَہَاکُمْ عَنہُ فَانتَہُوا[2]) (فَاِن تَنَازَعتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوہُ اِلَی اللہِ وَ الرَّسُولِ اِن کُنتُم تُؤمِنُونَ بِاللہِ وَ الیَومِ الآخِرِ[3]) (فَلا وَرَبِّکَ لایُؤمِنُونَ حَتّیٰ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَہُم ثُمَّ لایَجِدُوا فِی أنفُسِہِم حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَ یُسَلِّمُوا تَسلِیماً[4]) (اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کردے اس سے رک جاؤ،پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو، پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلاف میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں)

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں سے جس اسلام کو چاہا ہے اس سے مراد کیا ہے؟اور وہ ہے

---

[1] لسان العرب، ج۱۲، ص ۲۹۳
[2] سورۂ حشر، آیت۷
[3] سورۂ نساء، آیت ۵۹
[4] سورۂ نساء، آیت ۶۵

فرامین نبوت کی تمام معنی میں اطاعت، چاہے یہ احکام عام انسانی نظریات و آراء کے برخلاف ہی کیوں نہ ہوں، یا خود انسان یہ سوچے کہ مصلحت اس کی خلاف ورزی میں ہے۔

لہٰذا خدا نے بتلادیا ہے کہ خدا و رسول کے آگے سر تسلیم خم کرنا ان تمام مصلحتی تقاضوں پر مقدم ہے جو انسان کی اپنی فکری یا بعض فکری بیمار سیاست کی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے. اور یہ کہ اسلام کو خضوع و خشوع کا مرقع ہونا چاہئے. اور ارادۂ نبوی کا مطلق مطیع و فرمانبردار ہونا چاہئے. کیونکہ آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کی اطاعت، استمرار اطاعت خداوندی ہے۔ !لیکن دوسری اصطلاح کے مطابق عبادات الٰہیہ میں اخلاص کا ہونا یعنی مسائل شرعیہ میں اخلاص پیدا کرنا ہے جو کہ اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج اور ان جیسے احکامات، اس کے مفہوم کا دائرہ پہلے معنی کے بنسبت محدود ہے جو اوامر و نواہی نبوی سے متعلق ہے، اس لئے کہ احکام شرعیہ کی پابندی میں لوگوں کی اکثریت شامل ہے اور وہ اس کو بجالانے میں کوشاں ہیں۔ البتہ بسا اوقات کچھ لوگ کسی مشکل کی وجہ سے اس قانون کی تاب نہیں لاپائے یا کبھی کسی حکم کی نافرمانی اس وجہ سے کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی نظر میں وہ حکم مصلحت کے برخلاف ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان دونوں صورتوں کی بڑی حسین تقسیم کی ہے، پہلے کا نام ایمان، اور دوسرے کا نام اسلام رکھا ہے۔ بادیہ نشینوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ[١]) (یہ بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائیں ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے) بادیہ نشینوں نے احکام شرعیہ کی بجاآوری میں سہل انگاری سے کام لیا تو ان کو تنبیہ کی کہ تمہاری یہ حرکتیں ایمان کے (جوکہ اطاعت خدا و رسول کے معنی میں ہیں) بالکل منافی ہیں، (قرآن نے) ان کے موقف کا اظہار بھی کردیا، اور ان میں سے بعض افراد کے غلط نظریات کو طشت از بام کردیا جنھوں نے غزوۂ تبوک کے مسئلہ میں حکم رسالت کی نافرمانی کی تھی، خدا نے ان کی مذمت کی ہے، کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حکم رسالت کی نافرمانی ہی میں بھلائی اور مصلحت ہے

[١] سورۂ حجرات، آیت١۴

وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ اس حکم میں وسعت اور اختیار ہے لہٰذا مخالفت کر بیٹھے۔ قرآن کریم نے ان کی سرزنش کی اور بعض اصحاب کی تنبیہ کی جنھوں نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا،اور قرآن کا لہجہ اس سلسلہ میں بہت سخت تھا۔

اجتہاد کے سلسلہ میں بعض اصحاب کا موقف

بعد حیات رسول اس موضوع کی زیادہ وضاحت ہوئی کہ تمام کے تمام اصحاب اطاعت نبوی میں ایک مرتبہ پر فائز نہیں تھے، دو دھڑے میں تقسیم ہوگئے تھے، بعض اس نظریہ کے قائل تھے کہ رسول کے اوامر و نواہی مسلّمات دینی میں سے ہیں ان کی خلافت ورزی کسی صورت میں صحیح نہیں ہے اور ایسے افراد کی تعداد بہت کم تھی اور انھیں کے بیچ وہ افراد بھی تھے جو اس حد تک روشن فکر تھے کہ احکام نبوی میں کتر بیونت کرتے تھے بلکہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ عصری تقاضوں کے تحت اس کی مخالفت بھی کی جاسکتی ہے، حدیہ کہ مصلحت کے پیش نظر بعض سنت نبوی سے بھی لوگوں کو دور رکھا جاسکتا ہے، جس کے ثبوت میں اوارق تاریخ گواہ ہیں۔رسول اکرمؐ جب اپنے اصحاب کے ہمراہ ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تو اس وقت ابوسفیان کی قدرت و تدبیر بھی اس کو مسلمانوں سے نہیں بچاسکتی تھی اور مشرکین مکہ ان کی پشت پناہی اوران کے اموال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے. جب مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی، تو اس وقت نبیؐ کا ارادہ سب پر واضح اور روشن تھا کہ ''ہم نہیں یا تم نہیں'' اس وقت مشرکین مکہ خاص طور سے ان کا سردار ابوجہل مسلمانوں سے جنگ پر اتاولہ ہورہا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سنہری موقع ہے کہ ان (مسلمانوں) کی بیخ کنی کردیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نبوت کا چین چھین لیں گے۔ایسے روح فرسا حالات میں پیغمبرؐ کا مسلمانوں کے ہمراہ جنگ کئے بغیر واپس آجانا جنگ سے فرار ہی شمار کیا جائے گا۔بسا اوقات تو مشرکین مسلمانوں کے محلہ میں آپسی جھگڑوں میں جسارت کی حد تک پہنچ جاتے تھے اور یہ تو بہت بڑا المیہ تھا.کہ اصحاب، جنگ میں مرضیٔ نبوت کے خلاف اقدام کرتے تھے اور ایک کثیر تعداد فکری تائید نہیں کرتی تھی. بعض زبان دراز تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ جنگ کی بات کیوں نہیں ختم کرتے تاکہ ہم سکون کی سانس لے سکیں! ہم تو مال و متاع کے لئے نکلے تھے۔

روایت میں آیا ہے کہ (کسی نے کہا) یارسول اللہ! ''آپ مال و متاع پر نظر رکھئے دشمن کو جانے دیں''، تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ابوایوب کہتے ہیں: کہ ایسے ہی وقت یہ آیت نازل ہوئی (كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ[1]) (جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اگرچہ مومنین کی ایک جماعت اسے ناپسند کر رہی ہے)پیغمبر جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو رمضان کا مہینہ تھا.آپ نے اس وقت ایک، یا دو روزہ رکھا تھا اس کے بعد واپس آئے تو آپ کے نقیب نے یہ صدا دی کہ: اے گنہگارو!یں نے افطار کرلیا ہے لہٰذا تم بھی افطار کرلو.اس کے قبل ان سے یہ کہا جا چکا تھا کہ افطار کرلو لیکن ان کے کان پہ جوں نہیں رینگی تھی[2]۔

بلکہ بعض افراد کی رائے، جنگ کے سلسلہ میں ارادۂ نبوت کے بالکل خلاف تھی جب رسولؐ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو عمر بن الخطاب نے کھڑے ہوکر کہا کہ یارسول اللہ خدا کی قسم وہ قریش ہیں اور صاحبان جاہ و حشم، جب سے وہ صاحب عزت ہوئے ہیں آج تک ذلیل نہیں ہوئے، جب سے کفر اختیار کیا آج تک ایمان نہیں لائے، خدا کی قسم وہ اپنی آبرو کا کبھی بھی سودا نہیں کریں گے وہ آپ سے ضرور بالضرور اور ہمیشہ برسرپیکار رہیں گے. یہ سننے کے بعد پیغمبرؐ نے عمر کی جانب سے منہ پھیر لیا[3]۔ دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ وہیں ایسے اصحاب بھی تھے جن کا نظریہ اور ان کی سونچ ان سے بالکل مختلف تھی۔ مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ آپ حکم خدا کی پیروی فرمائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں، خدا کی قسم ہمارا وہ جواب نہیں ہوگا جو قوم بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو دیا تھا: (فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ[4])(آپ اپنے پروردگار کے ساتھ جاکر جنگ کیجئے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں)بلکہ آپ اور آپ کا خدا جنگ کرے اور ہم آپ کے شانہ بشانہ ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو خلعت نبوت سے نوازا، اگر آپ کے ساتھ پاتال میں بھی جانا ہوا تو ہم تیار ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے کہا: خیر ہے۔

---

[1] سیرۃ نبویہ و آثار محمدیہ، زینی دحلان حاشیہ سیرحلبیہ، ج۱، ص ۳۷، سورۂ انفال، آیت ۵
[2] المغازی للواقدی، ج۱ ص ۴۸۔ ۴۷
[3] المغازی للواقدی، ج۱، ص ۴۸۔ ۴۷
[4] سورۂ مائدہ، آیت ۲۴

سعد بن معاذ جو کہ انصار میں سے تھے کھڑے ہوئے اور عرض کی :یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی، جو کچھ لائے اس پر گواہ ہیں، ہم بسر و چشم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور وفاء عہد کا وعدہ کرتے ہیں۔اے نبی خدا! آپ کو جو قدم اٹھانا ہے وکر گذریں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسالت کے عہدے پر فائز کیا، اگر آپ کا حکم اور مرضی اس بات میں ہے کہ اتھاہ سمندر کے پانی کو متھ کر رکھ دیں تو ہمارا آخری آدمی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا، جو چاہے انجام دیجئے اور جس سے چاہے چشم پوشی اختیار کیجئے، ہمارے اموال و اثاث میں سے جو اور جتنا چاہیں لے سکتے ہیں۔

جتنا آپ انتخاب کرلیں گے وہ ہمارے بچے ہوئے مال سے زیادہ محبوب ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ہم اس راہ (اسلام) پر جب سے گامزن ہوئے کبھی آئندہ کی فکر لاحق نہیں ہوئی اور نہ ہی دشمنوں سے مڈبھیڑ میں گھبرائے، ہم وقت جنگ صابرین میں سے ہیں۔روز محشر اس بات کی تصدیق فرما دیجئے گا، شاید خدا ہمارے ان اعمال کو قبول کرے جو آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنے[1]۔ان کلمات سے اصحاب کے موقف کا علم ہوتا ہے کہ وہ تسلیم یا عدم تسلیم میں کس چیز کو اہمیت دیتے تھے۔اس سے اور آگے بعض اصحاب کے آراء و نظریات اس درجہ روشن تھے کہ نبی کی رائے پر غالب تھے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ نص نبوی کے مقابل اجتہاد فرما رہے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ حکم نبوی کی پیروی کسی صورت میں نہیں کرنا چاہتے تھے، اور ایسے حادثات متعدد مقامات پر رونما ہوئے ہیں۔ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک بار ابوبکر رسولؐ کے پاس آئے اور عرض کی یارسول اللہ! میں ایک وادی سے گذر رہا تھا وہاں پر ایک نہایت حسین اور وجیہ زاہد کو عبادت میں مشغول پایا، تو اس وقت رسول نے ابوبکر سے کہا کہ جاؤ اور اس کو قتل کردو۔سعید کہتے ہیں: ابوبکر گئے اور اس کو اس حالت میں دیکھ کر پس و پیش میں پڑ گئے کہ اس کو کیسے قتل کریں، واپس آئے تو رسولؐ نے عمر کو حکم دیا : ''جاؤ اور اس کو قتل کردو''

[1] المغازی ،للواقدی، ج۱، ص ۴۸۔ ۴۷

عمر گئے جس کیفیت میں ابوبکر نے دیکھا تھا انھوں نے دیکھ کر قتل کا فیصلہ بدل دیا. واپس آکے عرض کیا، یا رسول اللہ وہ جس خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے میرا دل مَسوس کر رہ گیا کہ اس کو ناحق قتل کر دوں۔

آپ نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو حکم دیا: ''جاؤ اور اس کو قتل کردو'' امیر المومنین گئے تو وہ وہاں نہیں تھا آپ واپس آئے اور آکر خبر دی کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: وہ اور اس کے ہمنوا قرآن کا رٹا لگائیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ لوگ دین سے ایسے خارج ہوگئے ہیں جیسے تیر کمان سے چھوٹ جاتا ہے، وہ دین میں واپس نہیں آسکتے مگر تیر سوفا، (کمان) میں واپس آجائے (اور دونوں ناممکن ہے) لہٰذا ان کو قتل کردو وہ گنہگار گروہ ہے[1]۔ صلح حدیبیہ کے وقت پیغمبرؐ نے قریش کے ہر مطالبہ کو پورا کیا، جس کے سبب اصحاب میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ رسولؐ نے ہم سب کو رسوا کیا ہے ہر چند کہ نبیؐ نے اس پر مصلحت کے تحت دستخط کیا تھا اور وہ بخوبی اس کو جانتے تھے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسولؐ کبھی اسلام و مسلمین کا نقصان نہیں چاہیں گے، اس کے باوجود بعض اصحاب اس بات کے معتقد تھے کہ پیغمبرؐ کے دستاویز پر دستخط کے خلاف حق اعتراض رکھتے ہیں۔ عمر بن الخطاب نے بطور اعتراض پیغمبرؐ سے کہا، جس کو بخاری نے عمر ہی کی زبانی کچھ یوں نقل کیا ہے۔ عمر۔ یا رسول اللہ! کیا آپ حق پر نہیں ہیں؟ رسول اسلام۔ ہم حق پر ہیں۔ عمر۔ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ رسول اسلام۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ عمر۔ پھر ہم اپنے دین کے سلسلہ میں کیوں رسوا ہوں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نے اب تک اس کی نافرمانی نہیں کی وہ میرا ناصر و مددگار ہے۔ عمر نے کہا: کیا آپ نے ہم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ اپنے گھر جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں بالکل، لیکن کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک سال ایسا آئے گا (جب ہم گھر لوٹ کر خانۂ خدا کا طواف کریں گے)۔ عمر نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: وہ دن آنے والا ہے اور تم طواف کو انجام دے سکو گے۔ عمر کہتے ہیں کہ میں ابوبکر کے پاس گیا اور کہا کہ کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔

[1] مسند احمد، ج۳، ص ۱۵

میں نے کہا کہ کیا ہم حق اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ابوبکر نے مثبت جواب دیا، تو میں نے کہا کہ تو پھر ہم اپنے دین میں کیوں رسوا ہوں؟۔ابوبکر نے کہا: اے مرد! وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ معصوم ہیں اور اللہ ان کا ناصر و مددگار ہے ان سے متمسک اور ان کے ہمرکاب رہو، واللہ وہ حق پر ہیں۔

میں نے کہا کہ کیا انھوں نے یہ نہیں کہا تھا ایک دن اپنے گھر لوٹیں گے اور خانۂ خدا کا طواف کریں گے ابوبکر نے کہا: ہاں ۔ ابوبکر نے کہا: کیا انھوں نے یہ خبر دی تھی کہ اس سال خانۂ کعبہ جاؤ گے؟ میں نے کہا، نہیں۔ابوبکر نے کہا: وہ سال آنے والا ہے اور تم طواف کروگے۔ عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کے منشور پر عمل کیا۔جب حدیبیہ کے دستاویز پر دستخط ہوگئی تو آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: اٹھو قربانی کرو!اور سر کے بال تراشو، کوئی ایک بھی نہ اٹھا یہاں تک آپ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا، پھر بھی جب کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو آپ ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو ام سلمہ نے کہا کہ یارسول اللہ کیا اس بات کو پسند فرماتے ہیں؟آپ خیمہ سے باہر تشریف لے جائیں کسی سے کلام تک نہ کریں قربانی کریں اور اپنے سر کے بال ترشوالیں؟آپ باہر آئے کسی سے کوئی کلام نہیں کیا اور قربانی کی، سر کے بال ترشوائے، جب لوگوں نے دیکھا تو قربانی پیش کی اور ایک دوسرے کے سر کے بال تراشے، کیفیت کچھ یوں تھی کہ شدت غم اور بے چینی کے سبب ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوگئے تھے[1]۔یہ حادثہ خود اس بات کا غماز ہے کہ اصحاب کے نظریات مختلف اور متعدد تھے جب پیغمبرؐ نے عمر بن الخطاب سے کہہ دیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور انھوں نے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تو عمر کے لئے پیغمبرؐ کے موقف کو ثابت کرنے کے لئے اتنا کافی تھا، اس کے علاوہ پیغمبرؐ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ عنقریب اپنے گھر لوٹیں گے اور خانۂ خدا کا طواف کریں گے اس سال یہ کام نہیں ہوسکتا عمر کے لئے رسولؐ کا اتنا جواب کافی نہیں تھا! جو وہ اطاعت نبوی کے بجائے عمل رسالت پر تبصرہ کرنے لگے، بلکہ وہ ابوبکر کے پاس گئے اور وہی بات من و عن دہرائی اور بات تو اس وقت اور بگڑ گئی جب اصحاب نے اطاعت

[1] صحیح بخاری، ج٢، ص ٨١، کتاب شرط، باب شروط فی الجہاد و المصالحہ مع اہل الحرب و کتابۃ الشروط، صحیح مسلم، باب صلح حدیبیہ،

رسالت سے انکار کردیا، اور قربانی و حلق (سر کے بال تراشنے) سے منع کردیا اس کے بعد تو حکم رسالت کی مخالفت زوروں پہ شروع ہوگئی یہاں تک کہ رسولؐ نے علی الاعلان تکلیف اور مخالفت کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کردیا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ تھی رسول خداؐ اس حال میں تشریف لائے کہ چہرے پہ غصہ کے آثار تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کس نے آپ کو غضبناک کیا خدا اس کو جہنم رسید کرے۔آپ نے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں نے لوگوں کو ایک بات کا حکم دیا اور وہ لوگ اس میں شک میں مبتلا ہیں، اگر میں کسی بات کا حکم دیتا ہوں تو اس کو واپس نہیں لیتا، میں نے اپنے ساتھ قربانی پیش کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا کہ مجھ کو بھی دیگر حجاج کی مانند قربانی خرید کر ان کی طرح احرام سے خارج ہونا پڑے۔ حضرت عائشہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ رسول خداؐ نے کسی حکم میں اختیار دیا تھا لیکن اصحاب نے اس حکم سے پہلو تہی اختیار کی جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو آپ نے حمد خدا کے بعد فرمایا: اس قوم کو کیا ہوگیا ہے میں ایک حکم بیان کرتا ہوں اور یہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔واللہ میں ان سے بہتر اللہ کے سلسلہ میں علم رکھتا ہوں اور ان سے کہیں زیادہ خوف الٰہی کا حامل ہوں ۔گویا اس وقت کی امت اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ نبی تقویٰ و خوف الٰہی کا مظہر ہے آخر ان کو کیا ہوگیا تھا کہ وہ نبوت کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے اور یہاں تک سوچ بیٹھے تھے کہ رسولؐ کا عمل حکم خدا کے خلاف بھی ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ آپ سے کنارہ کش اور آپ کو ننگ و عار کا سبب گرداننے لگے تھے۔بعض تو کھلم کھلا رسولؐ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرنے لگے تھے، چاہے چھوٹی بات ہو یا بڑا مسئلہ، وہ تو یہ گمان کرنے لگے تھے کہ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہر چیز میں عمل دخل اور فتوی صادر فرمائیں، جو قول رسولؐ کے منافی ہو۔جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ رسولؐ نے اس بات سے منع کیا تھا کہ عورتوں سے مقاربت نہ کریں اس کے باوجود ہم نے مجامعت کی۔

حکم کے دو رخ

بعض اصحاب کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ احکامات و تعلیمات نبیؐ کا علی الاعلان انکار کرنے لگے اور وہ لوگ وحی الٰہی اور حکم نبیؐ، جو کہ عبادات سے مخصوص تھیں ان کے مقابل خود کو قانع تصور کرنے لگے تھے بلکہ اجتماعی، موروثی امور اور بعض عادات و رسومات یہاں تک کہ نبیؐ کے بعد سیاسی مسائل اور حکومت کی تشکیل میں وہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ ان امور میں مداخلت کریں اور جس چیز میں بھلائی سمجھیں اس میں نص نبوی کے خلاف عمل کریں[1]۔ اوراس بات کا بین ثبوت اسامہ بن زید کی سرداری کا مسئلہ ہے پیغمبرؐ نے اسامہ بن زید کو لشکر کی سرداری اور اپنے دست مبارک سے علم عطا کیا تھا رسولؐ کے اس عمل پر یہ خصوصی اہتمام بھی بعض اصحاب کو اعتراض سے باز نہ رکھ سکا اور اسامہ پر یہ طعن و تشنیع کرنے لگے کہ یہ تو ناتجربہ کار نوجوان ہیں، اور مہاجرین و انصار میں سے سن رسیدہ اصحاب کی سرداری کی اہلیت نہیں رکھتے، جن میں ابوبکر، عمر، ابی عبیدہ جیسے افراد شامل تھے[2]۔

پیغمبرؐ بیت الشرف سے غصہ کی حالت میں باہر آئے او رمنبر پر تشریف لے گئے اس وقت آپ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔ آپ نے فرمایا: لوگو! اسامہ بن زید کی سرداری کے بارے میں بعض لوگوں کی کیسی چہ می گوئیاں مجھ تک پہنچی ہیں؟ اگر تم لوگ اسامہ کی سرداری کے بارے میں طعن و طنز کر رہے ہو تو اس کے پہلے ان کے باپ کے بارے میں اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم وہ شخص اس سرداری کا اہل تھا او راس کے بعد اس کا بیٹا (اسامہ) اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ جب کہ رسول اکرمؐ اسامہ کی جلد روانگی پر مصر تھے لیکن لوگ ٹال مٹول کرتے رہے، قبل اس کے کہ اس لشکر کی مقام جرف سے روانگی ہوئی رسولؐ وفات پاگئے اور آپ لشکر کو تبدیل کرنے والے تھے یا ارادہ رکھتے تھے۔ بعض اصحاب کا موقف حکم نبوت کی خلاف ورزی میں اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ آپ کے سامنے اس کا اظہار کرنے لگے تھے، اور وفات رسولؐ سے تھوڑا قبل اس کی مثال موجود ہے۔ محدثین، مورخین، ارباب سیر اور بخاری کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ابن عباس سے روایت ہے کہ رسولؐ کی احتضاری کیفیت کے وقت آپ کے

[1] مسند احمد، ج۳، ص ۳۰۸، مسند ابی یعلی، ج۳، ص ۳۷۳

[2] الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج۲، ص ۱۹۰؛ تاریخ یعقوبی، ج۳، ص ۷۴، بیروت؛ الکامل لابن الاثیر، ج۲، ص ۳۱۷؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۵۳؛ السیرۃ الحلبیہ، ج۳، ص ۲۰۷؛ کنز العمال، ج۵، ص ۳۱۲

بیت الشرف میں بہت سارے لوگ جمع تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے اس وقت رسولؐ نے کہا: لاؤ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔

جس کے بعد عمر نے بے ساختہ کہا: ان پر بخار کا غلبہ ہے تم لوگوں کے پاس قرآن ہے اور کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ اہل بیت اطہار ؑ نے اس نظریہ سے اختلاف کیا اور وہیں وہ افراد بھی تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ رسولؐ کو وہ تحریر لکھنے دو جس کے سبب تم گمراہی سے بچ جاؤ گے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو عمر کے نظریہ کا حامی تھا، جب یہ اختلاف زیادہ بڑھا تو رسولؐ نے ناراض ہوکر فرمایا: میرے پاس سے تم لوگ چلے جاؤ۔ ابن عباس کہتے ہیں: ہائے مصیبت اور سب سے بڑی مصیبت اس وقت تھی جب لوگ اس بات پر اڑ گئے اور شور مچانے لگے کہ رسول تحریر نہ لکھیں[1]۔ بخاری نے سعید بن مسیب اور ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے کہا: پنجشنبہ، ہائے پنجشنبہ! رسولؐ کی طبیعت بہت ناساز تھی اس وقت آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ اس وقت رسولؐ کے حضور اختلاف پیدا ہوگیا جبکہ آپ کے حضور شور و غل مچانا بہتر نہیں تھا، اور آپ کے شان میں گستاخی کی گئی کہ آپ ہذیان بک رہے ہیں، اور لوگ اسی کے پیش نظر بدگمانی کے شکار ہوگئے۔ اس وقت رسولؐ نے فرمایا: جو میں کر رہا ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جو تم مجھ سے چاہتے ہو،

اور آپ نے تین چیزوں کی وصیت کی: ۱۔ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو۔ ۲۔ جیسا میں چاہتا تھا ویسا ہی لشکر تیار کرو۔ ۳۔ اس کے بعد خاموش ہوگئے اور اگر کچھ فرمایا تو مجھے یاد نہیں ہے[2]۔ نہیں معلوم آخر رسولؐ کو اس نوشتہ کے لکھنے سے کیوں منع کیا گیا جبکہ آپ کی کوشش یہ تھی کہ امت گمراہی سے بچ جائے اور ابن عباس نے اس دن کو عظیم مصیبت سے تعبیر کیا ہے ابن عباس

---

[1] صحیح بخاری، ج۱، ص ۲۲، کتاب العلم

[2] صحیح بخاری، ج۵، ص ۱۳۷، باب مرض النبی و وفاتہ. اور اسی طرح کے الفاظ صحیح بخاری کی کتاب الجزیۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب کی ج۴، ص ۶۵ پر وارد ہوا ہے اور تیسری وصیت کے بارے میں خموشی ابن عباس کی جانب سے یا سعید کے بھول جانے کی بات. ایک موضوع ہے جس کو آنے والی بحثوں میں پیش کریں گے. مزید بخاری، جلد ۸ ، ص ۶۱، صحیح مسلم، ج۵، ص ۷۵، کتاب الوصیہ، مسند احمد، ج۴، ص ۳۵۶، حدیث ۲۹۹۲، پر ملاحظہ فرماسکتے ہیں.

اتنا گریہ کر رہے تھے کہ آپ کے آنسوؤں کے سبب زمین نم ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا تفصیلی تذکرہ ہے مگر مصلحت کے پیش نظر ہم اس کو چھوڑ رہے ہیں بعد میں اس کا تذکرہ کریں گے۔

دوسری فصل

دینی مرجعیت

گذشتہ امتوں میں دین کی باگ ڈور متدین یا کاہنوں (جو علم غیبی یا اسرار الٰہی کے علم کے مدعی تھے) کے ہاتھ رہی ہے اگر ثانی الذکر کی تعبیر صحیح ہے تو، وقتی اور دنیاوی حکومت دینی حکومت سے جدا رہی ہے۔ فراعنہ (بادشاہان مصر) اس بات کے مدعی تھے کہ وہ الٰہی نسل کے چشم و چراغ ہیں جب کہ یہ ایک اعزازی اظہار لقب تھا اور حقیقت سے دور دور تک اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ بادشاہان وقت دینی امور کے ذمہ دار نہیں رہے مگر بعض معاملات میں جس کو کاہن حضرات عام طور سے مذہبی رنگ و روغن لگا کر پیش کرتے تھے، یہ کاہن افراد شہر کے دینی مرجع ہوتے تھے، بادشاہان مصر (فراعنہ) عام طور سے سیاسی امور اور آبادیوں کی دیکھ ریکھ میں حکمرانی کرتے تھے، کاہن (مسیحی روحانی رہنما) عبادت گاہوں میں اپنے دینی افکار کے تحت امور کی انجام دہی کرتے تھے، ان افراد کو دوسرے لفظوں میں معظم الامم (سربراہان قوم) کہتے ہیں۔

آسمانی ادیان کی باگ ڈور یہودی خاخاموں اور عیسائی پوپ حضرات کے ہاتھ میں تھی، سیاسی حکومت سیاست مداروں کے ہاتھ تھی جو شہریوں کی امداد اور دیکھ بھال کر رہے تھے اگرچہ ان کی گرفت مختلف قبیلوں پر تھی لیکن اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ وہ متدین و روحانی رہنما کی باتوں کو سنتے ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اور دین سے متعلق امور میں ان افراد کو مکل اختیار دے رکھا تھا، ان لوگوں کے درمیان وہ افراد بھی تھے جو مملکت کے استحکام اور عصری سیاست کی تمرین سے دور تھے۔ جب پیغمبرؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو وہاں اپنی حکومت کے مراکز اور نائبین کا تعین فرمایا، اس وقت رسولؐ دینی اور دنیوی دونوں حکومت کے زمامدار تھے اور امور شریعت کے تنہا سرتاج و مرشد، احکام شریعت کے مبیّن و مفسّر اور سنت کے بانی تھے۔

آپ نے فرمایا: ''صلوا کما رأیتمونی اصلی'' جیسے میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح نماز پڑھو۔ آپ ایک ہی وقت میں سیاسی رہنما تھے جس کے ذریعہ سے بنیاد حکومت استوار ہوسکتی تھی جیسا کہ ہجرت کے شروع ہی میں آپ نے پروگرام مرتب کردیا تھا اور مسلمان اور یہود کے سامنے پیش کیا تھا۔ دوسرے رخ سے آپ سپہ سالار لشکر تھے کیونکہ آپ نے بڑے بڑے معرکوں میں لشکر کی سرداری کے فرائض کو انجام دیا ہے بلکہ سرایہ (جس جنگ میں آپ نے شرکت نہیں کی) میں بعض اصحاب کو حسب ضرورت اپنا نائب

مقرر کیا ہے۔ گویا پیغمبرؐ ہر رخ سے قائد و رہبر تھے اور ایک ہی وقت میں دوہری حکومتوں کے زمام دار تھے۔ پیغمبرؐ کی حسن تدبیر سے مسلمانوں نے یہ بخوبی جان لیا تھا کہ یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور رسولؐ کے بعد جو بھی ان کا خلیفہ ہوگا اس کی اقتدا واجب ہے۔ خلیفہ مراد وہ امام ہے کہ جس کی اطاعت واجب ہے، اور حفاظت شریعت جو حکم خدا اور سنت نبوی کے تحت ہے اس میں وہ قابل اعتماد ہے۔

اور حکومت اسلامی کے سیاسی، اقتصادی اور عسکری امور کی وہ سربراہی کرتا ہے لہٰذا دین اسلام سیاست عامہ اور حکومت اسلامی سے جدا نہیں ہے جو بھی رسولؐ کا خلیفہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی راہ پر گامزن ہو۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ امت کے تمام افراد میں اس عظیم ذمہ داری کے لئے حسب ضرورت شرطیں نہیں پائی جاتیں لہٰذا ضروری ہے کہ کسی ایک فرد میں جو کہ خلیفہ کے عہدے پر فائز ہو تمام صفات حمیدہ اور کمالا حسنہ پائے جاتے ہوں تاکہ امور کی انجام دہی، شریعت کی حفاظت، اور حکومت کی پشت پناہی، ان تمام خطرات سے کر سکے جس کا امکان کسی بھی رخ سے پایا جاتا ہے۔ اگر عصری تقاضوں کے تحت بعض دنیوی حکومت میں تبدیلی اور اجتہاد کا امکان پایا جائے تو دوسرے رخ سے مسائل شرعیہ میں اس طرح کا اجتہاد جو توہین اور سبکی کی جانب لے جائے اور ایک کے بعد دوسرے میں مداخلت کی سبب بنے، بالکل روا نہیں ہے۔ جب دینی مرجعیت ایسی آندھیوں کے سامنے آجائے گی تو آنے والے دنوں میں کوئی اس پر بھروسہ نہیں کرے گا اور شریعت میں تحریف کا ایسا رخنہ پیدا ہوجائے گا جو پُر نہیں ہوسکتا، نیز آنے والے دنوں میں شریعت پر بہت بڑا دھچکا لگے گا، اور حقیقت کی تشخیص و تعیین میں بہت سے لوگ پھسل جائیں گے، لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ دینی مرجعیت کے شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جو اس مرجعیت کو ان انجانے خطرات سے نہ بچا سکے وہ بالکل اس عہدے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ انھیں کے پیش نظر ہم کو اس بات کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ نے اس (خلافت) کے حدود و خطوط معین فرمادیئے تھے، اور عہدہ داروں کی شرطوں کو بیان کر دیا تھا، اور فرد، یا افراد کی تعیین اپنے سامنے کردی تھی، یا یہ عظیم ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی تھی تاکہ جس کو چاہیں معین کرلیں اور اصلح (نیک) کو

مصلحت و تقاضوں کے تحت اس دینی مرجعیت کے لئے چن لیں؛رہبری کے عمومی شرائط شریعت کی حفاظت کے لئے دینی رہبری کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ضروری ہے کہ رہبری کے شرائط بھی پیش کردیئے جائیں اور جو شخص اس کا مدعی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ ان شرائط کا حامل ہو،اور اس کی تعیین کے لئے نص یا نصوص نبوی کی تلاش ضروری ہے تاکہ اس مسئلہ پر کسی قسم کا اختلاف یا تشتت نہ ہو جس کے سبب امت کے نظریات ٹکڑوں میں بٹ جائیں اور ایسا رخنہ پیدا ہو کہ جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

اہلیت عمومی مرجعیت کی برترین شرط ہے

جب ہم اسلام کی تاریخ و سیر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو وہ نصوص ملتی ہیں کہ جن میں اس شخص کی جانب رسولؐ نے اشارہ کیا ہے جس میں یہ تمام شرطیں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ محدثین نے لکھا ہے کہ رسولؐ جب آخری حج سے واپس ہو رہے تھے تو جحفہ نامی جگہ جس کو غدیر خم بھی کہتے ہیں اجلال نزول فرمایا اور وہاں موجود بڑے بڑے درختوں کے نیچے سے خس و خاشاک جمع کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے اس پر عمل کیا پھر آپ کے لئے اونٹوں کے کجاوے کا منبر بنایا گیا آپ اس پر تشریف لے گئے تاکہ سب لوگ آپ کو صحیح طریقہ سے دیکھ سکیں،اس وقت آپؐ نے فرمایا'' مجھے (خدا کی جانب) طلب کیا گیا ہے میں نے قبول کیا ہے میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اس میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔کتاب خدا اور میری عترت دیکھو تم لوگ ان دونوں میں میری کیسی اطاعت کرتے ہو یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے''،بعض روایات میں ایک خاص جملہ کا اضافہ ہے (جب تک ان سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہوگے[1])۔ ابن حجر ہیثمی مکی نے اس روایت (حدیث ثقلین) کو متعدد طریقوں سے روایت کرنے کے بعد کہا ہے، کہ حدیث تمسک، متعدد

---

[1] المستدرک، ج۳، ص ۱۰۹، ۵۳۳؛ مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص ۱۸۱، ۱۸۹؛ جامع ترمذی، ج۲، ص ۳۰۸، حدیث ۳۸۷۴؛ خصائص امیر امیر المومنین للنسائی، ص ۲۱؛ کنز العمال، ج۱، ص۴۴، ۴۷، ۴۸؛ صحیح مسلم، باب فضائل علی؛ سنن الدارمی، ج۲، ص ۴۳۱؛ صواعق محرقہ، ص ۸۹؛ الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۲؛ فیض القدیر للمناوی، ج۳، ص ۱۴؛ حلیۃ الاولیاء ج۱، ص ۳۵۵، حدیث۶۴؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۶۳، ۱۶۴

طریقوں سے بیس سے زیادہ صحابیوں نے روایت کی ہے بعض طُرق میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر، مقام عرفہ میں آنحضرت نے ارشاد فرمائی ہے، بعض کے مطابق مدینہ میں جب رسول اکرمؐ احتضاری کیفیت میں تھے اور آپ کا حجرہ مبارک اصحاب سے بھرا ہوا تھا، بعض طُرق نے غدیر خم کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ جب آپ طائف سے واپس آرہے تھے۔ ان متعدد طریقوں سے اس حدیث کا نقل ہونا کوئی منافات نہیں رکھتا اور کوئی مشکل بھی نہیں ہے کہ آپ نے متعدد مقامات پر قرآن و اہلبیت کی عظمت کے پیش نظر حدیث کی تکرار فرمائی ہو[۱]۔

نصوص حدیث اور ابن حجر کے تعلقیہ سے ہم اس بات کا نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے اپنے بعد ان افراد کی نشان دہی فرمادی ہے جو آپ کے بعد دینی مرجعیت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ اور اہل بیت و عترت طاہرہ کی مرجعیت کی نص یہی حدیث ہے آپ نے اہل بیت کو قرآن کے ہم پلہ قرار دیا ہے، قرآن شریعت کا پہلا مرکز ہے اور ثقل اکبر ہے اور اہلبیت رسولؐ دوسرے مرکز ہیں اور ثقل اصغر ہیں۔ اہلبیت کی جانب اشاروں کی تکرار اور متعدد مقامات و مناسبتوں پر اس کو دہرانا اس امر کی عظمت و اہمیت کے باعث ہے، درحقیقت ایک طرح کی فرصت تھی ان افراد کے لئے جو اس کو سن نہیں سکے ہیں اور جو سن چکے ہیں ان کی یاد دہانی کے لئے ہے۔ رسولؐ نے اہلبیت کے حوالہ سے صرف اسی نص پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسئلہ کی اور وضاحت فرمادی، جیسا کہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ ابوذر غفاری نے در کعبہ کو پکڑ کر کہا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں ابوذر ہوں، میں نے رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے، کہ میرے اہلبیت کی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہوگیا، نجات یافتہ ہوگیا، اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہلاک ہوگیا[۲]۔ دوسری روایت ابن عباس وغیرہ سے ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: آسمان کے ستارے زمین پر بسنے والوں کے لئے سبب امان ہیں تاکہ لوگ غرق ہونے سے بچ جائیں، (دوران سفر سمندروں میں ستاروں کے

---

[۱] صواعق محرقہ، ص ۲۳۱۔ ۱۳۰

[۲] المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیشابوری، ج۴، ص ۳۴۳؛ کنز العمال، ج۶، ص ۲۱۶؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۶۸؛ حلیۃ الاولیاء، ج۴، ص ۳۰۶؛ تاریخ بغداد، ج۱۲، ص ۱۹، ذخائر العقبیٰ، ص ۲۰؛ کنوز الحقائق، ۱۳۲؛ فیض القدیر، للمناوی، ج۴، ص ۳۵۶؛ صواعق محرقہ، ص ۳۵۲، بعض روایات میں آیا ہے کہ، یہ (اہلبیت) باب حطہ کی مانند ہیں جو اس میں داخل ہوا امان پاگیا اور جو اس سے نکل گیا وہ کافر ہوگیا۔

ذریعہ راہوں کی تعیین کی جانب اشارہ ہے) میرے اہلبیت میری امت کے لئے سبب امان ہیں، تاکہ آپسی اختلافات سے بچے رہیں، اگر عرب کے قبیلوں میں سے کسی گروہ نے ان (اہلبیت) سے اختلاف کیا تو وہ شیطانی گروہ ہوگا[1]۔

رسول اکرمؐ نے اپنے دوسرے فرمان میں ثقلین کی اور صراحت فرمادی ہے ''ان دونوں پر سبقت نہ لے جانا ان دونوں سے پیچھے نہ رہ جانا، ورنہ ہلاکت مقدر بن جائے گی اور کبھی ان کو کچھ سکھانے کی کوشش نہ کرنا، اس لئے کہ یہ تم سے اعلم ہیں[2]۔ اس بات کی جانب امیر المومنین ۔ نے اپنے ایک خطبہ میں کافی تاکید کی ہے، آپ نے فرمایا: اپنے نبی کے اہلبیت کو دیکھو اور ان کے نقش قدم پر چلو، کیونکہ وہ تم کو راہ ہدایت سے دور نہیں کریں گے، اور قعر مذلت میں گرائیں نہیں، اگر وہ گوشہ نشین ہوجائیں تو تم بھی ان کے ساتھ رہو، اگر وہ قیام کریں تو ان کے ہمرکاب رہو، ان پر سبقت نہ لے جاؤ، ورنہ بھٹک جاؤ گے ان سے پیچھے نہ رہو، ورنہ ہلاکت مقدر بن جائے گی[3]۔ حضرت سید سجاد ۔ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''کیا اس سے زیادہ کوئی بھروسہ مند ہے کہ جو حجت کو پہنچائے، حکم (خدا) کی تاویل پیش کرے، مگر وہ افراد جو کتاب (قرآن) کے ہم پلہ ہیں اور ائمہ ہدیٰ کے روشن چراغوں کی ذریت میں سے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے بندوں پر حجت تمام کی اور لوگوں کو بغیر کسی حجت کے حیران و سرگردان نہیں چھوڑ دیا، کیا تم لوگ شجرۂ مبارکہ کی شاخوں کے علاوہ کسی کو جانتے ہو یا کسی اور کو پاسکو گے اور یہ ان برگزیدہ بندوں کی یادگاریں ہیں، جن سے خدا نے رجس کو دور رکھا ہے اور ان کی طہارت کا اعلان کیا ہے اور تمام آفات ارضی و بلیات سماوی سے محفوظ رکھا ہے اور قرآن میں ان کی محبت و مودّت کو واجب قرار دیا ہے[4]۔ گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بلاشک و تردید رسولؐ نے اپنی امت کے لئے ان افراد کا اعلان و تعین فرمادیا ہے جن کی جانب ہر امر میں رجوع کرنا ہے اور وہ والا صفات اہلبیت کی ذوات مقدسہ ہیں اور اس بات کی تاکید ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ ان کے دامن سے متمسک رہو، بلکہ ان سے روگردانی کرنے کی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۱۴۹۔ ۱۴۸؛ کنز العمال، ج۶، ص ۱۶؛ صواعق محرقہ، ص ۳۵۳؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۷۴؛ فیض القدیر، للمناوی، ج۶، ص ۲۹۷؛ ذخائر العقبیٰ، للمحب الطبری، ص ۱۷،

[2] صواعق محرقہ، ص ۲۳۰

[3] نہج البلاغہ، خطبہ۲

[4] صواعق محرقہ، ص ۲۲۳

صورت میں ڈرایا بھی ہے اور ان کی مخالفت اور دوری میں ہلاکت و گمراہی بتایا ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ دینی مرجعیت کے مرکزیت کو رسولؐ نے اہلبیت میں کیوں محدود کر دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ رسولؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے، گویا رسولؐ کا یہ عمل حکم خداوندی کے تحت تھا اور اللہ نے اہلبیت کو ان مراتب سے نوازا اور اس عظیم امر کی اہلیت بخشی ہے؛ جیسا کہ قرآن میں اسی بات کا اعلان بھی ہے: (إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا[1])۔

اے اہل بیت! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم اہل بیت سے رجس کو دور رکھے اور ویسا پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔ اللہ نے ان کی طہارت کو ثابت کیا ہے اور وہ عیوب جن سے بڑے بڑے لوگ نہیں بچ پاتے ان سے ان کو دور رکھا ہے ان کی طہارت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ گناہ، عیوب، پستی، جن میں سے جھوٹ اور خدا کی جانب افترا پردازی او ران باتوں کا ادعا کرنا جو خدا کے لئے مناسب نہیں ہے، ان سب سے معصوم و محفوظ ہیں۔

اور دوسرے رخ سے نبی اکرمؐ نے دوسری صفات ان کے لئے بیان کی ہے، جیسے: احکامات شریعت کے سلسلہ میں امت میں سب سے اعلم ہیں اور یہ اس بات کا لازمہ ہے کہ یہ امت کے مرجع و مرکز ہیں۔ پیغمبرؐ کا اس جانب توجہ دلانا کہ ان سے ہدایت حاصل کرو ان پر سبقت نہ لے جاؤ ان سے پیچھے نہ رہو، ان کو کچھ سکھانے کی کوشش نہ کرو، یہ سب رسولؐ کا اس عظیم امر میں اہلبیت کی مدد کرنا نہیں ہے اور نہ ہی قرابت داری کے باعث اظہار محبت ہے، کیونکہ اقرباء میں تو ابولہب بھی رسولؐ کا چچا تھا مگر رسولؐ نے اس رشتہ کو کبھی نہیں سراہا۔

اہلبیت کون لوگ ہیں؟

بعض لوگوں نے اہلبیتؑ میں ان افراد کو شامل کرنا چاہا ہے جو اہلبیتؑ میں سے نہیں تھے! متعدد مقامات پر مختلف انداز میں رسولؐ نے اہلبیت کی وضاحت و نشان دہی کر دی ہے تاکہ دھوکا اور ہر طرح کا احتمال ختم ہوجائے۔ علماء حدیث نے اصحاب کے حوالہ

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

سے بہت ساری روایتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں صاف صاف وضاحت ہے، انھیں میں سے ایک ام المومنین حضرت ام سلمہ کی روایت ہے، پیغمبر اسلامؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا: اپنے فرزندوں اور شوہر کے ساتھ یہاں آؤ! آپ سب کے ہمراہ حاضر ہوئیں، رسولؐ نے ان سب کے اوپر فدک کی چادر ڈال دی اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: خدایا! یہ آل محمد ہیں، معبود! محمد و آل محمد پر رحمات و نعمات کا نزول فرما! تو لائق تعریف و صاحب عظمت ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے چادر کا گوشہ ہٹایا تاکہ میں بھی اس کے اندر داخل ہوجاؤں رسولؐ نے اس کو میرے ہاتھ سے لے لی اور فرمایا: ''تم خیر پر ہو[1]''

حضرت عائشہ سے روایت ہے: کہ ایک صبح رسولؐ اس حالت میں نکلے کہ آپ کے دوش پہ سیاہ رنگ کی اونی چادر پڑی ہوئی تھی، اتنے میں حسنؑ آئے آپ نے ان کو اس کے اندر داخل کرلیا پھر حسینؑ آئے تو ان کو بھی اندر داخل کرلیا پھر فاطمہؑ آئیں ان کو بھی داخل کرلیا پھر علیؑ آئے اور ان کو بھی داخل کرلیا اس کے بعد رسول نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا[2]) یہ بات بالکل مسلمات میں سے ہے کہ رسول اکرمؐ نے نصاریٰ نجران سے مباہلہ کیا تھا اور یہی افراد شریک کار تھے، علماء تفسیر و حدیث نے اس بات کو متعدد اصحاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے جن میں سے سعد ابن ابی وقاص ہیں، کہتے ہیں کہ: جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسن و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا: ''اللّٰھم ھٰؤلآء اہلی'' خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں[3]۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب رسولؐ کے اہلبیت یہی ہیں تو شیعہ حضرات کیوں کہتے ہیں کہ بقیہ نو امام بھی اہلبیت رسولؐ ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسولؐ سے بہت ساری روایات نقل ہوئیں ہیں جس میں آپ نے اپنے بعد کے خلفاء کی تعیین کی ہے اور ان کی تعداد بارہ بتائی ہے، علماء حدیث، حافظین حدیث اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں :جابر بن ثمرہ راوی ہیں کہ: ''میں نے رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ بارہ ہادی و امام ہوں گے''اس کے بعد ایک جملہ کہا جس کو میں سن نہ سکا، پھر میرے

---

[1] مسند احمد، ج۶، ص ۲۹۶، ۳۲۳؛ المستدرک، ج۳، ص ۱۰۸، ۱۴۷؛ کنز العمال، ج۷، ص۱۰۲، ۲۱۷؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۶۷

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ باب فضائل اہلبیت نبی؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۴۷، انھوں نے کہا کہ شیخین کی تائید کے باعث یہ حدیث صحیح ہے، سنن البیہقی، ج۲، ص۱۴۹؛ تفسیر طبری، ج۲۲، ص۵؛ فخر رازی نے بھی اس کو آیۂ مباہلہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس روایت کی صحت علماء تفسیر و حدیث کے نزدیک متفق علیہ ہے: جامع ترمذی، ج۲، ص۲۰۹، ۳۱۹؛ مسند احمد، ج۶، ص۳۰۶، اسد الغابہ، ج۴، ص۲۹

[3] جامع ترمذی، ج۲، ص۱۶۶؛ المستدرک علی الصحیحین ج۳، ص۱۵۰؛ سنن البیہقی، ج۷، ص۶۲؛ اسباب النزول، ص ۷۵

والد نے بتایا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ''سب کے سب قریشی ہوں گے[1]''مرجعیت کے عام شرائط اور نص گذشتہ بحثوں میں ہم نے اہلبیت ؑ کی مرجعیت اور دینی مرکزیت کی لیاقت کے سلسلہ میں دلائل پیش کئے ہیں اور ان کی حمایت و لیاقت پر متعدد شواہد و دلائل بھی پیش کئے جس میں آیات الٰہیہ اور فرمان رسولؐ شامل تھا۔

اور ہم نے یہ بات بھی عرض کی تھی کہ اسلام کی قیادت اور سیاست کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے دونوں ایک دوسرے کے اٹوٹ حصے ہیں، اور نبی اکرمؐ نے اس سلسلہ میں اقدام بھی کیا خاص طور سے ہجرت کے بعد مسلمانوں نے دو حکومتوں کے سنگم کو بنحو احسن درک بھی کیا، گویا رسولؐ کی جانب سے دینی مرجعیت و مرکزیت پر نص موجود ہے لہٰذا سیاسی مرکزیت کے لئے بھی کسی کا وجود ضروری ہے، انھیں ضروریات کے پیش نظر رسولؐ نے اپنے بعد کے وصی کا تعین فرمایا اور ان افراد نے احکام الٰہیہ کا اجراء بھی کیا جس طرح سے نبیؐ نے خبر دی تھی اور افراد کا تعین بھی فرمایا تھا، ثبوت میں کچھ واقعات پیش کریں گے:اگر ہم حیات نبوی کا بغور مطالعہ کریں گے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ رسول اکرمؐ نے ابتدائے بعثت میں ہی اس جانب خاص عنایت رکھی ہے اور اس قائد کی تعیین کا اہتمام کیا ہے جو ان کے بعد امت رسولؐ کے امور کی پاسبانی میں ان کا خلیفہ ہوگا،اور خداوند تعالیٰ کی بھی عنایت رہی ہے کہ اس نے نبیؐ کی کفالت میں تربیت کے مسئلہ کو بھی حل کردیا اور وہ بھی اعلان رسالت سے قبل۔

ابن اسحق، ابن ہشام کی نقل کے مطابق اس واقعہ کی یوں منظر کشی کرتا ہے: علی ابن ابی طالبؑ پر خدا کی خاص عنایت یہ تھی کہ جس وقت قریش سخت قحط سالی سے دوچار تھے اور حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے، تو رسول اکرمؐ نے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب، جو کہ اس وقت کے متمول افراد میں شمار ہوتے تھے، ان سے کہا کہ لوگ اس وقت قحط سالی کے شکار ہیں اور آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں لہٰذا ہم لوگ چل کر بات کرتے ہیں تاکہ ان کے اہل و عیال کے بوجھ اور خرچ کو ہلکا کر سکیں، ان کے فرزندوں میں سے ایک ہم لے لیتے ہیں اور ایک کو آپ، اور ہم دونوں ان کی کفالت کریں گے، جناب عباس نے حامی بھر لی!

[1] صحیح بخاری، ج۹، ص۱۰۱، کتاب الاحکام باب الاستخلاف؛ سنن ترمذی، ج۴، ص ۵۰۱؛ سنن ابی داؤد، ج۴، ص۱۰۶؛ المعجم الکبیر، ج۲، ۱۹۴، بعض نسخوں میں خلیفہ، رجل، قیم، کا لفظ آیا ہے۔

دونوں افراد حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور دونوں نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے عیال کا بوجھ ہلکا کردیں، تاکہ لوگوں میں جو بات (آپ کے کثیر العیالی اور مشکلات کی) پھیلی ہے وہ ختم ہوجائے۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو بقیہ جو فیصلہ کرنا چاہو تم لوگوں کو اختیار ہے۔ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو لیا اور سینہ سے لگالیا، حضرت علیؑ بھی سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے اس وقت حضرت علیؑ نے آپ کی اتباع کی، آپ پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور جعفر جناب عباس کے پاس ان کے اسلام لانے تک رہے یہاں تک کہ غربت کے دن دور ہوگئے[1]۔

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کے سابق الاسلام اور سابق الایمان ہونے پر متعدد بار اشارہ کیا ہے آپ نے آنے والے دنوں کے ضمن میں یہ اشارہ کیا تھا، جیسا کہ سلمان ۲۳۹ اور ابوذر ۲۳۹ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ (علی) وہ ہیں جو سب سے پہلے ہم پر ایمان لائے اور روز قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہ صدیق اکبر، اس امت کے فاروق اعظم (جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کریں گے) اور مومنین کے یعسوب (سربراہ) ہیں۔ امیر المومنین ۔ نے بھی تربیت نبوی اور کفالت رسالت کی جانب اشارہ کیا ہے جب آپؑ کی شخصیت میں نکھار آرہا تھا اور عضلات بدن نمو پارہے تھے۔

آپؑ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوند زمین کردیا تھا اور قبیلہ ربیعہ اور مضر کے ابھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا تم جانتے ہی ہو کہ رسولؐ سے قرابت داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے ان کے نزدیک میرا کیا مقام تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول اللہ نے مجھے گود لے لیا تھا، اپنے سینے سے لگائے رکھتے تھے، بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے اپنے جسم مبارک کو ہم سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے، پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کو لقمہ بناکر میرے

[1] السیرۃ النبویہ ابن ہشام، ج۱، ص۲۴۶؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۵۲۶؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص ۱۹۸؛ تاریخ طبری، ج۲، ص ۳۱۳

منہ میں ڈا لیتے تھے، انھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی، اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ہمراہ کردیا تھا، جو انھیں شب و روز عظیم خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔

اور ہر سال کوہ حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انھیں نہیں دیکھتا تھا اس وقت رسول اللہ اور (ام المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا ان میں سے میں تھا، میں وحی رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ چیخ کیسی تھی؟آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی پرستش سے مایوس ہوگیا ہے، اے علی! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وصی و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو[1]۔

خلیفہ کی تعیین اور احادیث نبوی

اسلامی فرقوں کے درمیان خلافت کے مسئلہ پر بہت مباحثہ و مجادلہ ہوا ہے، خاص طور سے اس نظریہ کے قائل افراد جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کے بعد امامت و خلافت کے حوالے سے رسول کی کوئی نص موجود نہیں ہے اور اس رخنہ کو پر کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے یہ اختیار امت کے ہاتھوں چھوڑ دیا تھا اور شیعہ حضرات جو اس بات کے معتقد ہیں کہ نص نبوی موجود ہے اور رسول اکرمؐ نے علی ابن ابی طالب ۲۲۸ کو امت کا ہادی و رہنما اور امام قرار دیا تھا، دونوں فرقوں کے درمیان بڑے ہی نظریاتی رد و بدل ہوئے ہیں۔ اگر ہم حیات نبوی کا جائزہ لیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے امامت و خلافت کے مسئلہ کو بہت اہمیت دی

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص ۱۹۷، خطبہ ۱۹۰،

ہے یہاں تک کہ معمولی مقامات پر بھی اس کی اہمیت تھی بلکہ دو سفر کرنے والوں سے آپ مطالبہ کرتے کہ تم میں ایک دوسرے کا حاکم بن جائے۔آپ جب کبھی کسی جنگ یا سفر کے سبب مدینے کو ترک فرماتے تو کسی نہ کسی کو اس کا ذمہ دار بہ نفس نفیس معین فرماتے تھے اور لوگوں کو کبھی اس بات کا حق نہیں دیتے تھے کہ وہ جس کو چاہیں چن لیں !

ترجمہ مفتی جعفر صاحب قبلہ

تو جب نبی کریمؐ اپنی حیات میں تعیین خلیفہ کے سلسلہ میں اتنا حساس تھے تو کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ اپنے بعد کے عظیم مسئلہ یعنی امت کی رہبری کو ایسے ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے ! اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس بات کی جانب متوجہ ہوئی چنانچہ ابوبکر نے عمر کو معین کیا تھا اور امت کو اس بات کا بالکل حق نہیں دیا تھا کہ وہ اپنا رہبر چن لیں۔اور خود عمر بن الخطاب اس بات کے راوی ہیں کہ اگر سالم مولیٰ ابی حذیفہ یا ابوعبیدہ بن الجراح دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہوتا، تو کسی ایک کو منتخب کرتا اور بغیر کسی شک و تردید کے اس کو خلیفہ بناتا، انھوں نے تو امت سے مطلق طور پر اس اختیار کو سلب کرلیا تھا اور چھ لوگوں کی ایک شوریٰ (کمیٹی) معین کردی تھی کہ اس میں کسی ایک کو میرے بعد خلیفہ کے طور پر منتخب کرلو۔ان سب باتوں کے پیش نظر جب اصحاب کرام خلافت کی اہمیت کو درک کر رہے تھے تو رسولؐ کیونکر غافل رہ جاتے اور اس کی اہمیت کو درک نہ کرپاتے جب کہ آپ عقل کل اور امت و رسالت کے مصالح کو بہتر درک کرتے تھے، لہٰذا جب ہم سیرۂ نبوی کو دیکھیں گے تو ہم کو اس بات کا علم ہوگا کہ رسولؐ کی بے پناہ حدیثیں موجود ہیں جو اس بات کی غماز ہیں کہ آپ نے اس عظیم مسئلہ کے حل میں بالکل تساہلی سے کام نہیں لیا جس سے امت مسلمہ کا مستقبل وابستہ تھا،آپ نے اس نورانی مرکزیت و مرجعیت کے خد و خال بتادیئے تھے اور اس کی حدبندی بھی فرمادی تھی!اور یہ کام تو آپ نے ابتدائے اسلام ہی میں کرڈالا تھا اہل سنت کے منابع میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ (وَ أَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِين) جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعثت رسالت کا تیسرا سال تھا، رسولؐ نے علیؑ کو طلب کیا اور فرمایا: اے علی!خدا نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اقرباء کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں، میں سوچ رہا ہوں کہ اس کام کو کیسے شروع کروں، میں جانتا ہوں کہ وہ

لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں اسی لئے میں نے خموشی اختیار کرلی، یہاں تک جبرئیل آئے اور کہا کہ ''اے محمد! اگر تم نے حکم خدا پر عمل نہیں کیا تو تمہارا خدا تم سے ناراض ہو جائے گا'' لہذا علی تم ایک صاع (ایک قسم کا ناپ اور پیمانہ ہے) کھانا اور ایک بکری کی ران بناؤ اور ایک برتن میں دودھ بھردو، اس کے بعد عبدالمطلب کے فرزندوں کو دعوت دو تاکہ میں ان سے کچھ بات کرسکوں اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو پہنچا سکوں۔

(امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ) میں نے حکم رسولؐ کے مطابق لوگوں کو دعوت دیدی اس دن تقریباً چالیس لوگ جمع ہوئے جس میں آپ کے چچا حضرات ابوطالب، حمزہ، عباس، ابولہب وغیرہ شامل تھے، جب سب لوگ آگئے تو کھانا پیش کرنے کو کہا، میں نے لاکر رکھا رسول اکرمؐ نے گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور چکھ کر برتن کے ایک کونے میں واپس رکھ دیا اس کے بعد کہا: ''بسم اللہ کہہ کر شروع کریں'' سارے افراد نے چھک کر کھایا اور ابھی کھانا بچا ہوا تھا، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچا تھا جس کے سامنے میں نے کھانا پیش نہ کیا ہو،

اس کے بعد رسول اکرمؐ نے حکم دیا: سب کو سیراب کرو! پھر میں نے شیر پیش کیا، سب نے پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے ،قسم ہے خدائے جلال کی کوئی ایک بھی پیاسا نہ تھا،اس کے بعد جب رسولؐ نے کچھ کہنا چاہا،ابولہب آپ پر سبقت لے گیا اور کہا: خبردار! تم لوگوں نے اس شخص کی جادوگری کو دیکھا، پورے افراد تتر بتر ہوگئے اور اس دن رسولؐ کچھ نہ کہہ سکے، دوسرے دن رسولؐ نے کہا: علی وہ شخص مجھ پر سبقت لے گیا، قبل اس کے کہ وہ میری بات سنتا اور میں افراد سے گفتگو کرتا، سب چلے گئے لہذا پھر تم اسی دن کی طرح کھانے کا انتظام کرو اور لوگوں کو دعوت دو۔ میں نے حسب دستور لوگوں کو پھر جمع کیا پھر مجھ کو کھانا پیش کرنے کا حکم دیا، میں نے سارا کام کل کی طرح انجام دیا ،سب نے ڈٹ کر کھایا پھر سیرابی کا حکم ملا ، میں نے سب کو سیراب کیا اس کے بعد رسولؐ گویا ہوئے: اے فرزندان عبد المطلب! خدا کی قسم پورے عرب میں ایسا کوئی جوان نہیں ہے جو مجھ سے بہتر اپنی قوم کے لئے کوئی چیز لائے، میں تم لوگوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے ہم کو اس بات کا حکم دیا ہے،

لہٰذا کون ہے جو میری اس امر میں پشت پناہی کرے تاکہ وہ میرا وصی و خلیفہ ہو سکے۔ پوری قوم اس تجویز سے روگردانی کرگئی، تو میں نے کہا، جب کہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، آنکھیں گرد آلود ہیں، پنڈلیاں کمزور ہیں لیکن اے اللہ کے رسولؐ! اس کام میں آپ کا میں پشت پناہ و حامی ہوں۔

رسولؐ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: یہ میرے بھائی، وصی اور تمہارے درمیان میرے خلیفہ ہیں ان کے احکامات کی پیروی کرو اور ان کے فرمان پر ہمہ تن گوش رہو۔ سب لوگ وہاں سے ہنستے ہوئے اٹھے اور کہنے لگے: ابوطالب تم کو تمہارے بیٹے کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا گیا ہے[1]۔

یہ عبارت جو کہ ہمارے لئے آغاز بعثت کی منظر کشی کرتی ہے اور اس طرح کی صراحت و وضاحت کے باوجود بعض مورخین و مؤلفین نے اس طرح کی باتوں کو یا تو سرے سے حذف کردیا ہے یا پھر اس میں کتربیونت کی ہے جس میں رسولؐ نے صاف صاف علیؑ کی ولایت و وصایت کا اعلان و اظہار کیا ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے جب کہ اس وقت موجودہ افراد نے ابوطالب کا مذاق اڑایا تھا اور اس بات کا طعنہ بھی دیا تھا کہ بیٹے کی اطاعت و ولایت مبارک ہو۔

پیغمبر اسلامؐ کی دیگر احادیث

پیغمبرؐ متعدد مقامات پر اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ علی ابن ابی طالبؑ کی سربراہی مسلم ہوجائے، پیغمبر کے نزدیک حضرت علیؑ کا مرتبہ لوگوں کے سامنے واضح تھا جس سے مستقبل قریب میں ایک مقصد وابستہ تھا اور حضرت علیؑ کی اور آغاز ہجرت ہی میں آپ نے مسلمانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ہم اور علیؑ بھائی ہیں۔ لیکن بعد میں اس کو حذف کردیا۔ حفاظ نے اس بات کو نقل کیا ہے، ابن ہشام نے ابن اسحاق سے یوں نقل روایت کی ہے کہ رسولؐ نے اصحاب و مہاجرین و انصار

---

[1] تاریخ طبری، ج۲، ص۳۱۹؛ الکامل لابن اثیر، ج۲، ص ۶۲؛ جیسا کہ بعض مورخین و تاریخ نویسوں نے بعض الفاظ کو بدل کر نقل کیا ہے، جیسے ان کا کہنا ہے: ''یا بنی عبد المطلب، انی قد جئتکم بأمر الدنیا و الآخرۃ'' جیسا کہ تاریخ اسلام، السیرۃ للذہبی، ص ۱۴۵؛ دلائل النبوۃ، البیہقی، ج۱، ص ۳۲۸؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۱۳؛ اور بعض نے یوں کہا ہے: ''فأیکم یوازرنی علی ہذا الامر علی أن یکون أخی'' المنتظر لابن جوزی، ج۲، ص۳۷۶، اور بعض میں نے اس طرح نقل کیا ہے: ''علی أن یکون أخی و کذا و کذا'' البدایہ و النہایہ ابن کثیر، ج۳، ص ۵۳، تفسیر ابن کثیر تحت آیۂ انذار سورۂ شعراء . محمد حسین ہیکل نے (حیات محمد) کی پہلی طباعت میں اس کا تذکرہ کیا ہے

میں مواخات (بھائی چارہ) پیدا کی!آپ نے فرمایا: راہ خدا میں بھائی چارگی پیدا کرو، (ایک دوسرے کے بھائی بنو) اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: (یہ میرے بھائی ہیں[1])، لہٰذا رسول خداؐ جو کہ سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، نہ ہی ان کا کوئی نظیر تھا اور نہ ہی کوئی بدیل اور علی ابن ابی طالبؑ دونوں بھائی تھے۔

ہجرت نبوی کے نویں سال جب سرکار غزوہ تبوک کے ارادہ سے مدینہ کو ترک فرما رہے تھے تو آپ نے اپنے اہل وعیال کا خلیفہ علیؑ کو قرار دیا تھا اور ان کے پاس رہنے کا حکم دیا تھا اور مدینہ کی دیکھ بھال بنی غفار کے ایک فرد سباع بن عرفطہ کے حوالے کی تھی۔ منافقین نے امیر المومنین کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ رسولؐ نے ان کو ان کی نااہلی کی بنا پر چھوڑ دیا ہے، جب یہ بات حضرت علیؑ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے اسلحہ جنگ کو زیب تن کیا اور جرف نامی مقام پر جاکر رسولؐ کی خدمت میں عرض کی، یا رسول اللہ منافقین کہتے ہیں کہ آپ نے ہم کو ہماری نااہلی اور سستی کے باعث ان کے بیچ رکھ چھوڑا ہے۔آپ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں، ہم نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے واپس جاؤ اور میرے اور اپنے اہل وعیال کے پاس میری خلافت کے فرائض انجام دو،اے علی!کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم سے میری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کو ہارون سے تھی بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، علیؑ مدینہ کی طرف واپس آگئے اور رسولؐ نے اپنا سفر جاری رکھا[2]۔رسولؐ نے اس طرح ہارون و موسیٰ کے تمام مراتب، وزارت، خلافت اور کسی نبی کے نہ آنے کی خبر سب واضح کردی۔

---

[1] السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۵۰۴؛ جامع ترمذی، ج۵، ص ۵۹۵، حدیث ۳۷۲۰؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۶؛ حدیث ۴۲۸۹؛ الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۶۰؛ سیرۂ حلبیہ ج۲، ص۲۰؛ مصابیح السنہ، ج۴، ص ۱۷۳، حدیث ۴۷۶۹؛ مشکوۃ المصابیح، ج۳، ص ۳۵۶، حدیث ۲۶۰۹؛ الریاض النضرۃ، ج۳، ص ۱۱۱، ۱۶۴؛ فضائل احمد بن حنبل، ص۹۴، حدیث ۱۴۱؛ تاریخ دمشق، ج۱۲، ص ۱۳۶؛ تذکر الخواص، ص ۲۴؛ کنز العمال، ج۱۳، ص۱۰۶، حدیث ۳۶۳۴۵؛ مسند ابی یعلیٰ، ج۱، ص ۳۴۷، حدیث۴۴۵

[2] تاریخ طبری، ج۳، ص۱۰۳؛ الکامل لابن الاثیر، ج۲، ص ۲۷۸؛ صحیح بخاری، کتاب بدؤالخلق باب مناقب علی ابن ابی طالب؛ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی بن ابی طالب؛ صحیح ترمذی، ج۲، ص ۳۰۰؛ مسند الطیالسی، ج۱، ص ۲۹؛ حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۱۹۵؛ تاریخ بغداد، ج۱، ص ۳۲۴، ج۴، ص۲۰۲و ج۹، ص۳۹۴؛ خصائص نسائی، ج۱۴،ص۱۵؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۳۳۷؛ مسند احمد، ج۱، ص۱۷۰، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۴، ۳۳۰، و ج۶، ص ۳۶۹؛ الطبقات الکبریٰ لابن سع، ج۳، قسم ۱، ص۱۴، و ۱۵؛ اسد الغابہ، ج۵، ص۸؛ کنز العمال، ج۲، ص۱۵۴، و ج۵، ص ۴۰، و ج۶، ص ۱۵۴و ۱۵۶و ۳۹۵و ۴۰۵و ج۸، ص ۲۱۵؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱؛ الریاض النضرۃ، ج۲، ص ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۹۵؛ ذخائر العقبیٰ، ۱۲۰

رسول اسلامؐ کا مبلغ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ رسولؐ نے علیؑ کی حمایت و اختیارات کا اظہار متعدد مقامات پر کیا مگر صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ نے چاہا کہ یہ بات تمام اصحاب پر عیاں ہوجائے اور سارے اصحاب میں صرف آپ کو تبلیغ خاص کے لئے منتخب کیا ۔ روایات کا ایک جم غفیر ہے کہ ہجرت کے نویں سال نبی اکرمؐ نے ابوبکر کو سورۂ برائت کی پہلی دس آیتوں کو دیکر مکہ بھیجا، کہ اس کو مشرکین مکہ کے سامنے پڑھ کر سنائیں، لیکن فوراً بعد حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور فرمایا: ''تم جاؤ اس نوشتہ (سورہ) کو لے لو اور خود مکہ جاکر اس کو ابلاغ کرو''، حضرت علیؑ گئے اور درمیان راہ ہی ان کو جالیا اور ان سے اس نوشتہ کو طلب کیا، ابوبکر بیچ راستے ہی سے واپس آگئے اور بہت کبیدہ خاطر تھے رسولؐ کی خدمت میں آکر سوال کیا یا رسول اللہ! کیا میرے بارے میں کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ یا میں خود اس کو پہنچاؤں یا اس شخص کو بھیجوں جو میرے اہلبیت میں سے ہو[1]۔

میرے بعد علیؑ تمہارے ولی ہیں

روز و شب کی گردش ماہ و سال کے گزر کے ساتھ ساتھ مولائے کائنات کی شان میں احادیث کا اضافہ ہوتا رہا، خود رسول اکرمؐ بھی اس بات کی صراحت و وضاحت کرتے رہتے تھے جس میں کسی قسم کا شک و تردد نہیں ہے اور تمام مسلمین کی ولایت کا اعلان بطور نمونہ پیش بھی کردیا ہے ۔ بریدہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کا اور خالد بن ولید کو جبل کا امیر بنا کر بھیجا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اگر کسی مقام پر تم دونوں (علی و خالد بن ولید) جمع ہوجاؤ تو علی افضل و اولیٰ ہیں'' ایک جگہ دونوں کی ملاقات ہوئی اور کثیر مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا،

---

[1] خصائص نسائی، ص٢٠؛ صحیح ترمذی، ج٥، ص ٢٥٧، حدیث ٣٠٩١؛ مسند احمد، ج٣، ص ٢٨٣، ج١، ص٣، ١٥١، ٣٣٠؛ الریاض النضرة، ج٣، ص١١٩؛ البدایہ و النہایہ، ج٥، ص٤٤؛ حوادث ٩ ہجری؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ج٥، ص١٢٨، حدیث ٨٤٦١؛ الاموال، لابی عبید، ص ٢١٥، حدیث ٤٥٧؛ تاریخ دمشق؛ ترجمۃ الامام علی، ص ٨٩٠؛ الدر المنثور، ج٤، ص ١٢٥؛ مختصر تاریخ دمشق، ج١٨، ص٦؛ شرح نہج البلاغہ، ج١٢، ص٤٦، خطبہ ٢٢٣؛ المنتظم لابن الجوزی، ج٣،ص٣٧٢.

حضرت علیؑ

نے خمس میں سے ایک کنیز کا انتخاب کیا، خالدبن ولید نے بریدہ کو بلایا اور کہا کہ مال غنیمت کی کنیز کو لے لیا گیا ہے اس بات کی اطلاع رسول اسلاؐم کو دیدو، میں مدینہ آیا اور مسجد میں داخل ہوا رسولؐ بیت الشرف میں تھے اور اصحاب کا ازدھام آپ کے در دولت پر تھا!۔ لوگوں نے پوچھا، بریدہ کیا خبر ہے، میں نے کہا: خیر ہے! خدا نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی لوگوں نے پوچھا اس وقت کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا: خمس میں سے علی نے ایک کنیز لے لی ہے! میں رسولؐ کو اس کی خبر دینے آیا ہوں۔

لوگوں نے کہا کہ رسولؐ کو اس کی اطلاع ضرور دو تاکہ علی رسولؐ کی نظروں سے گر جائیں! رسول خداؐ اس مکالمہ کو سن رہے تھے، آپ غیظ و غضب کی حالت میں گھر سے باہر آئے اور فرمایا: ''اس قوم کو کیا ہوگیا ہے، یہ علی میں نقص نکال رہی ہے، جس نے علی میں نقص نکالا اس نے مجھ میں نقص تلاشا، جس نے علی کو چھوڑا اس نے گویا مجھے کھویا، میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں اور وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور میں ابراہیم کی طینت سے خلق ہوا ہوں اور میں ابراہیم سے افضل ہوں، یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے، اللہ سننے اور جاننے والا ہے ''اس کے بعد فرمایا: بریدہ تم کو خبر ہے علی کا حق اس کنیز سے کہیں زیادہ تھا جو انھوں نے انتخاب کیا ہے؟ وہ میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔ بریدہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! دست مبارک بڑھائیں تاکہ آپ کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی تجدید کروں، راوی کہتا ہے کہ میں بیعت اسلام کی تجدید کرنے سے پہلے جدا نہیں ہوا[1]۔ رسول اکرمؐ نے اس (صحیح) حدیث میں بغیر کسی استثناء کے تمام مسلمین پر حضرت علیؑ کی ولایت مطلقہ کو ثابت کیا ہے، اس حکم کے اطلاق میں شیخین ابوبکر و عمر سب شامل ہیں کیونکہ رسولؐ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی، ج۶، ص۲۳۲؛ تاریخ دمشق لابن عساکر، ج۴۲، ص ۱۹۱، یہ درج ہے کہ بریدہ نے کہا کہ میں نے رسولؐ کو اس دن سب سے زیادہ غضبناک پایااس سے قبل کبھی بھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا سوائے قریظہ و نضیر کے دن کے! میری جانب دیکھا اور فرمایا: ''اے بریدہ! میرے بعد علی تمہارے ولی ہیں تم ان کو دوست رکھو کیونکہ یہ وہی کرتے ہیں جو حکم دیا جاتا ہے''
عبد اللہ بن عطاء کے بقول ابا حرب بن سوید بن غفہ سے میں نے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا کہ عبد اللہ بن بریدہ نے تم سے حدیث کے کچھ حصہ کو چھپالیا ہے. رسولؐ نے ان سے کہا: اے بریدہ! کیا تم نے میرے بعد منافقت سے کام لیا، مسند طیالسی، ص ۳۶۰، حدیث ۲۷۵۲.
ابن عباس سے روایت ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ سے کہا: ''تم میرے بعد ہر مومن کے والی و وارث ہو''
استیعاب میں ابن عبد البر نے بعینہ روایت کو ج۳، ص ۱۰۹۱ پر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے سندوں میں کوئی جھول نہیں ہے اس

تاج پوشی

دینی مرجعیت اور ہر زمانے کی حکومت کے درمیان جو ایک گہرا ربط تھا اس کی رسولؐ نے بڑی تاکید کی تھی اور اس بات کی کوشش کی تھی کہ امت مسلمہ اس کی مکمل حفاظت کرے، اس بات کے پیش نظر رسولؐ نے امت کے سامنے اہلبیتؑ کو پہنچوایا تھا اور یہ وہ افراد تھے جو دو عظیم، بھاری بھرکم چیزوں کی نظارت کی اہلیت رکھتے تھے ایک تو شریعت الٰہیہ کی حفاظت دوسرے اس نوجوان دور حکومت کی زمامداری جس کو نبیؐ نے حیات بخشی تھی۔

اسی بنا پر متعدد مقامات اور مناسبتوں پر رسولؐ نے اہلبیتؑ اور علی کی ولایت کے مسئلہ کو بیان کیا تھا کیونکہ رسولؐ کے بعد مرکز اہلبیتؑ حضرت علیؑ ہی تھے، ۱۰ھ میں نبیؐ کے حجۃ الوداع کے موقع پر اس مسئلہ کی اور وضاحت ہوئی۔ حدیث ثقلین کے ضمن میں ہم نے یہ بات عرض کی تھی کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے خدا کی جانب طلب کیا گیا ہے اور میں نے اجابت کرلی ہے اور میں تم لوگوں کے درمیان دو بیش بہا چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے میری عترت، لطیف و باخبر خدا نے ہم کو اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کریں گے لہٰذا دیکھو تم لوگ ان دونوں کے سلسلہ میں میری خلافت کا کس حد تک خیال رکھتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا: خدائے عزوجل میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں اس کے بعد حضرت علیؑ کے دست مبارک کو پکڑ کر فرمایا: ''جس جس کا میں مولا ہوں یہ (علی) اس کے مولا ہیں، خدایا! تو اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے، تو اس کو دشمن شمار کر جو اس کو دشمن سمجھے[۱]''

کی صحت اور نقل حدیث کی ثقہ میں کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ج۱۲، ص۸۰ پر عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ''تم علی سے کیا چاہتے ہو تم علی سے کیا چاہتے ہو علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد ہر مومن کے مولا ہیں''
احمد نے اپنی مسند میں اس کو نقل کیا ہے. ج۴، ص۴۳۸، ج۵،۳۵۶. علی کو چھوڑ دو علی کو چھوڑ دو (علی کی عیب جوئی نہ کرو) علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں وہ میرے بعد ہر مومن کے مولا ہیں، جامع ترمذی، ج۵، ص ۶۳۲؛ خصائص نسائی، ص۱۰۹؛ مسند ابی یعلیٰ، ج۱، ص۲۹۳، حدیث ۳۵۵؛ اس کے محقق نے نظریہ دیا ہے کہ اس کے راوی حضرات سب صحیح ہیں؛ کنز العمال، ج۱۳، ص۱۴۲؛ الریاض النضرة، ج۳، ص۱۲۹؛ تاریخ بغداد، ج۴، ص۳۳۹؛ تاریخ دمشق، ج۴۲، ص۱۰۲؛ اسد الغابہ، ج۳، ص۶۰۳؛ کنز العمال، ج۱۱، ص۶۰۸

[۱] حافظ نے بدایہ و النہایہ کی ج۵، ص۲۱۴ پر ذہبی سے اس کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صدر حدیث متواتر ہے اور یقین ہے کہ رسولؐ نے فرمایا ہے لیکن (اللّٰہم وال من والاہ) سند کے حساب سے زیادہ قوی ہے۔
اس کے بعد رسولؐ کھڑے ہوئے اور اپنے ''سحّاب'' نامی عمامہ کے ذریعہ حضرت علیؑ کی تاج پوشی کی اور ان سے کہا: ''اے علی عمامے عرب کے تاج ہیں''

مرجعیت کے لئے حضرت علیؑ کی اہلیت

رسولؐ کا اپنے بعد پوری ملت مسلمہ کا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو مرجعیت کی ذمہ داری سونپنا، نہ ہی بلاسبب تھا اور نہ ابن العم (چچازاد بھائی) ہونے کے ناطے تھا، نہ یہ پہلو دخیل تھا کہ یہ رسولؐ کے داماد ہیں کیونکہ رسولؐ کسی فعل کو انجام نہیں دیتے تھے اور نہ ہی کوئی کلام کرتے تھے جب تک وحی پروردگار کا نزول نہ ہوجائے ہر امر میں حکم خدا کے تابع تھے، امور امت مسلمہ سے زیادہ ان کی نظر میں اقرباء پروری اہمیت نہیں رکھتی تھی، جس کی پائیداری اوراستحکام و استقامت کے لئے ایک طویل عرصہ سے جانفشانی کی تھی جو تقریباً چوتھائی صدی پر محیط تھا اس کے لئے انھوں نے بہت سارے معرکہ حل کئے ہیں اور ناگفتہ بہ مشکلات کو جھیلا ہے تب جاکر اس حکومت میں پائیداری آئی ہے جس کے منشورات میں سے یہ تھا کہ انسانیت دنیا میں خیر و صلاح کے مسلک پر گامزن ہوجائے تاکہ آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

جب کہ نبی کریمؐ امت مسلمہ کے سلسلہ میں بہت حساس اور محتاط تھے اور اپنی حیات طیبہ ہی میں اس بات کے لئے کوشاں تھے اور بیحد فکر مند تھے تو کیا صرف یہ سوچ اور فکر ہی کافی ہوگی؟اوراپنے بعد امت کو یوں ہی کسی دلدل میں چھوڑ دیں گے اور صراط مستقیم کی رہنمائی نہیں کریں گے جو ان کو راہ ۔ابن جزری نے اسس المطالب کے ص۴۸ پر کہا ہے کہ اس رخ سے حدیث ''حسن'' ہے اور کئی ساری وجھوں سے صحیح ہے، امیر المومنین سے متواتر ہے اور رسولؐ سے بھی متواتر ہے، لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے ایک جم غفیر سے اس کی روایت کی ہے ۔ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۷۷ا، کہا ہے کہ تیس صحابیوں نے اس کو رسولؐ سے نقل کیاہے اور بہت سارے طرق سے یہ صحیح و حسن ہے۔راست سے بھٹکنے سے بچا سکے اور گمراہی کی تاریکیوں سے باہر نکال سکے، نبیؐ کے بارے میں ایسا تصور کرنا بھی گناہ ہے کیونکہ قرآن کا اعلان ہے کہ: (عَزِیزٌ عَلَیہِ مَا عَنِتُّم حَرِیصٌ عَلَیکُم بِالمُؤمِنِینَ رَؤُوفٌ رَّحِیمٌ[1]) اس پر ہماری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے وہ تمہارے ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق و مہربان

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸

ہے۔ایسی صورت میں رسولؐ کا حضرت علیؑ کو منتخب کرنا یقیناً ارادۂ خداوندی کے تحت تھا، جس طرح سے خدا کا انتخاب حضرت طالوت کے بارے میں تھا کیونکہ وہ علم و جسم دونوں میں نابغۂ روزگار تھے۔یہ بات بالکل مسلم ہے کہ خدا کا انتخاب ممتاز حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ بندوں کی قیادت کی باگ ڈور کس کے سپرد کی جائے۔لہٰذا اب ان معروضات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ذات والا صفات وہ ہے جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ علم و شجاعت کے لحاظ سے قیادت کی اہلیت و صلاحیت رکھتی تھی، اور تاریخی حقائق اس بات پر گواہ ہیں، کیونکہ دراز مدت سے ہی نبیؐ اپنے اقوال و افعال کی شکل میں ان نعمتوں کے حامل تھے۔

علی۔اعلم امت

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی اور دنیوی حکومت دونوں کا مدافع ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ امور دین و شریعت کا مکمل عالم ہو اور سیاست و قیادت کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہو۔اوراق تاریخ اس بات پر گواہ ہیں کہ رسولؐ کے بعد امت کے سب سے بڑے عالم، فیصلہ کرنے والے، اور قاضی حضرت علیؑ ہیں۔اس بات کی شہادت سب سے پہلے رسولؐ نے دی اس کے بعد اصحاب رسولؐ نے اور واقعات نے بڑھ کر اس حقیقت میں رنگ بھر دیا، محدثین نے ابن عباس اور دوسرے افراد سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ''انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا فمن اراد المدینۃ فلیات بابہا'' میں شہر علم ہوں علی اس کا دروازہ، جو شہر میں آنا چاہے اس کو چاہیئے کہ در سے آئے[1]۔دوسری جگہ فرمایا: ''انا دار الحکمۃ و علیٌّ بابہا[2]''میں دار حکمت ہوں اور علی اس کا دروازہ ۔بعض احادیث میں رسولؐ نے امت کی توجہات کو مبذول کرایا ہے حضرت علی کے اس علم کی جانب جو رسولؐ کے بعد مرجعیت عامہ کی اہلیت پر دلالت کرتا ہے، رسولؐ نے دونوں کے درمیان واضح طور پر ربط کو بیان کیا ہے۔سلمان کہتے ہیں کہ میں

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۲۶؛ پر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، تاریخ بغداد، ج۴، ص۳۴۸، ج۷، ص۱۲۷، ج۱۱، ص۴۸،۴۹، خطیب نے کہا کہ قاسم نے کہا کہ میں نے یحیی بن معین سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ صحیح ہے، اسد الغابۃ، ج۴، ص۲۲، تہذیب التہذیب، ج۶، ص۳۲۰، ج۷، ۴۲۷، کنز العمال ج۶، ص۱۵۲، فیض الغدیر، ج۳، ص۴۶، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۱۴، الریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۹۳، کنوز الحقائق للمناوی، ص۴۳، صواعق محرقہ،ص۷۳

[2] جامع ترمذی، ج۲، ص۲۹۹، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۴، کنز العمال، ج۶، ص۴۰۱

نے رسولؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہر نبی کا ایک وصی رہا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟ آپ نے خموشی اختیار کرلی، پھر دوبارہ جب میری ملاقات ہوئی تو فرمایا: ''سلمان'' میں جلدی سے بڑھ کر آگے گیا اور عرض کی: ''لبیک یا رسول اللہ'' ! آپ نے فرمایا: جانتے ہو موسیٰ کا وصی کون تھا؟

میں نے کہا: ہاں، یوشع بن نون۔ آپ نے فرمایا: کیوں؟ میں نے کہا کہ وہ اپنی امت میں سب سے اعلم تھے۔ آپ نے فرمایا: میرے وصی میرے اسرار کا مرکز، میرے بعد سب سے عظیم ہستی، میرے وعدوں کو پورا کرنے والے میرے قرضوں کو ادا کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں[1]۔ بعض اصحاب کرام نے ان حقیقتوں کا اظہار بھی کیا ہے جو انھوں نے نبی کریمؐ سے درک کیا تھا اور براہ راست جن حقائق کا مشاہدہ کیا تھا۔

بعض لوگوں نے ابن عباس سے سوال کیا: کہ علی کون تھے تو ابن عباس نے کہا: رسول اکرمؐ کی قرابت داری کے ساتھ ساتھ علم، حکمت، شجاعت و شہامت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی[2]۔ عمرو بن سعید بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے پوچھا کہ، لوگ حضرت علی ہی کی کیوں گاتے ہیں یعنی کیوں لوگ انھیں کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں؟ انھوں نے کہا بھتیجے! علی، علم کے غیر مفتوح بلندی کا نام ہے جو چاہو حاصل کرسکتے ہو، وہ خاندان کا سخی، اظہار اسلام میں پیش قدم، داماد رسولؐ، سنت رسولؐ سے آگاہ، میدان جنگ میں بے خوف لڑنے والا اور بخشش میں کریم ہے[3]۔ عبد الملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا کہ اصحاب محمدؐ میں علی سے زیادہ کوئی جاننے والا تھا؟ تو انھوں نے کہا: ''لاواللہ لااعلم'' بخدا مجھے کسی کا علم نہیں[4]۔ خود امیر المومنین فرمایا کرتے تھے: مجھ سے کتاب خدا (قرآن) کے بارے میں پوچھو اس میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے نزول کے

---

[1] مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۱۳، اور صاحب کتاب مذکور نے کہا ہے کہ طبرانی نے اس کی روایت کی ہے. نبیؐ کا سلمان سے سوال کرنے کا راز مخفی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ کا یوشع کا وصی ہونا در اصل حضرت کے اعلم ہونے کا اظہار کرنا تھا، سیرۃ النبویہ، ابن اسحاق، ص۸۲۵، تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ . تحقیق ڈاکٹر سہیل زکار.

[2] الریاض النضرہ، ج۲، ص۱۹۴، احمد نے بھی اس کو مناقب میں نقل کیا ہے.

[3] تہذیب التہذیب لابن حجر، ج۷، ص۳۳۸

[4] اسد الغابہ، ج۶، ص۲۲، الاستیعاب، ج۲، ص۴۶۲، فیض القدیر، ج۳، ص۴۳، الریاض النضرہ،ج۲، ص۱۹۴،

بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ یہ آیت رات میں اتری یا دن میں وادی میں آئی یا پہاڑ پر[1]۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ عمر نے کہا: ''اقضانا علیؑ''، ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں[2]۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم آپس میں بات کیا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں[3]۔

ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو رسولؐ کے اس قول ''علی میری امت کے بہترین قاضی ہیں'' کا گواہ نہ ہو[4]۔ یہ وہ روایات تھیں جو ایک کثیر تعداد میں موجود ہیں لیکن ان کا کچھ حصہ پیش کیا ہے جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ میں شرط اعلمیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی جس طرح سے ان سے پہلے جناب طالوت میں پائی جاتی تھی، حد یہ ہے کہ دشمنوں نے بھی اس فضیلت کا اعتراف کیا ہے، جب حضرت امیر کی شہادت کی خبر معاویہ کو ملی تو اس نے کہا کہ: ذہب الفقہ والعلم بموت علیؑ ابن ابی طالب[5] علی کی موت در حقیقت علم و فقہ کی موت ہے۔

امت کی شجاع ترین فرد علیؑ

کوئی دو فرد بھی ایسی نہیں ہے جو علیؑ کی شہامت اور دشمن کو دھول چٹا دینے کے سلسلہ میں اختلاف رائے رکھے، اور دوستوں سے پہلے دشمنوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور یہ بات تواتر و شہرت کی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تاریخ کے عظیم افراد نے اس کو ذکر کیا ہے، آپ ہر میدان جنگ میں رسولؐ کے پرچم دار تھے[6]۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج۲، ص۱۰۲،تہذیب التہذیب، ج۷، ص۳۳۷، اس میں آپ نے فرمایا: پوچھو خدا کی قسم جو بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو کوئی آیت نہیں اتری مگر میں بتاسکتا ہوں کہ دن میں آئی یا رات میں...، الاصابہ، ج۴، ص۲۷۰، تفسیر الطبری، ج۲۶، ص۱۱۶، کنز العمال، ج۱، ص۲۲۸

[2] صحیح البخاری، باب تفسیر قولہ تعالیٰ (ما ننسخ من آیۃ او ننسہا) المستدرک، ج۳، ص۳۰۵، مسند احمد، ج۵، ص۱۱۳، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۵

[3] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۳۵، اور اس بات کے قائل ہیں کہ شیخین کے نقل کے باعث یہ حدیث صحیح ہے؛ طبقات ابن سعد، ج۲، قم ص۱۰۲، اسد الغابہ، ج۴، ص۲۲، نور الابصار، للشبلنجی، ۷۳

[4] الریاض النضرہ، ج۲۷ ص۱۹۸، الاستیعاب لابن عبدالبر، ج۱، ص۸، مختلف اصحاب سے مختلف الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس بات کا دعوی کیا ہے کہ یہ حدیث (اقضانا علیؑ) کئی طرح سے عمر سے روایت کی ہے۔

[5] الاستیعاب، ج۲، ص۴۶۳

[6] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۱۱، و ص۴۹۹، الاستیعاب، ج۳، ص۱۷۳، الطبقات الکبریٰ، ج۳، ص۱۵، مسند احمد، ج۱، ص۳۶۸، تہذیب التہذیب، ج۳، ص۴۷۵، اسد الغابہ، ج۴، ص۲۰، کنز العمال، ج۵، ص۲۹۵، ریاض النضرہ، ج۲، ص۱۹۱، مجمع الزوائد، ج۵، ص۳۲۱، سنن البیہقی، ج۶، ص۲۰۷.

حضرت علیؑ اور جنگ بدر

جنگ بدر میں حضرت علیؑ کا بہت بڑا امتحان تھا، تاریخ و سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس فیصلہ کن معرکہ میں مارے جانے والے بیشتر مشرکین آپ کے ہاتھوں قتل ہوئے[1]۔

حضرت علیؑ اور جنگ احد

جنگ احد میں مسلمانوں کی جانب سے پرچداروں کو قتل کیا گیا اور ان پرچداروں کو قتل کرنے والے حضرت علیؑ تھے جب حضرت علی ان کو قتل کر چکے تو نبیؐ نے مشرکین کے ایک جتھ کو دیکھا اور حضرت علیؑ کو حکم دیا: ان پر حملہ کرو! آپ نے قتل کیا بقیہ تتر بتر ہوگئے، اس کے بعد لشکر کا دوسرا ٹکڑا دکھائی دیا آپ نے ان پر حملہ کیا قتل کیا، بقیہ بھاگ کھڑے ہوئے، رسولؐ نے دوسری ٹکڑی کو دیکھا اور جناب امیر سے کہا: ''ان پر حملہ کرو''آپ نے ان پر حملہ کیا قتل کیا اور بھگا دیا، جبرئیل نے کہا: یا رسول اللہ یہ ہے (ایثار و فداکاری) تو آپ نے فرمایا: میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں۔ جبرئیل نے کہا: ''اور میں آپ دونوں سے ہوں'' اس وقت لوگوں نے ایک آواز سنی، ''لافتی الا علیؑ لاسیف الا ذوالفقار[2]''

حضرت علیؑ اور جنگ خندق

جنگ خندق میں سلمان فارسی کے مشورہ کے تحت مسلمانوں نے خندق کھودی تھی جس کے سبب تھوڑا محفوظ تھے لیکن کچھ جگہیں کم فاصلہ کے سبب بہت ہی غیر محفوظ تھیں، رسول اسلامؐ اور مسلمان وہاں پر پڑاؤ ڈالے تھے اور مشرکین ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور جنگ کی شروعات ابھی نہیں ہوئی تھی۔ قریش کے کچھ جنگجو، من جملہ عمر بنی عامر بن لوی کا ایک بہادر شخص عمر بن عبدود ابوجہل مخزومی، ھبیرہ بن ابی وھب مخزومی، بنی کارب بن فہر کا ایک شخص ضرار بن الخطاب، شاعر ابن مرواس، نے لباس جنگ

---

[1] مغازی الواقدی، ج۱، ص۱۴۷، بدر میں مشرکین کے مقتولین.السیرة النبویة، لابن ہشام، ج۱، ص۷۰۸

[2] تاریخ طبری، ج۲، ص۵۱۴، الکامل ابن اثیر، ج۲، ص۱۵۴، سیرة ابن ہشام، ج۲، ص۱۰۰، ریاض النضرة، ج۳، ص۱۳۷، المعجم الکبیر، ج۱، ص۲۹۷، حدیث ۹۴۱، تاریخ دمشق، ترجمہ الامام علیؑ کفایہ الطالب، الکنجی، ص۲۲۷، باب۶۹، عن الباقرؑ، مناقب خوارزمی، ص۱۴۷، حدیث ۲۰۰، وقعة الصفین، ص۴۷۸، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۴، ص۲۵۱، انھوں نے کہا ہے کہ اس خبر کو محدثین کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے اور مشہور روایات میں سے ہے۔

پہنا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بنی کنانہ کے خیمہ گاہ کے پاس آئے او رکہا کہ،اے بنی کنانہ ابجنگ کے لئے تیار ہو جاؤ،آج تم کو معلوم ہوگا کہ بہادر کون ہے؟۔انھوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور خندق کے پاس آکر کھڑے ہوگئے جب خندق دیکھی تو کہا کہ رب کی قسم یہ تو ایک قسم کی چال ہے عربوں میں اس طرح کی چال کسی نے نہیں چلی۔

انھوں نے خندق کا ایک چکر لگایا جہاں سے خندق تنگ نظر آئی اس طرف چل پڑے اور وہاں پہونچ کر ان کے جانور رک گئے، حضرت علیؑ نے اپنے کچھ ہمراہیوں کے ساتھ ان کو جالیا، جس جگہ وہ گھوڑوں سمیت پریشانی میں مبتلا تھے،ان کے شہسوار آگے آگے اور ان کے گھوڑے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔عمروبن عبدود جنگ بدر میں شریک تھا او رزخمی ہوگیا تھا جس کے سبب احد میں نہیں آسکا تھا جنگ خندق میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر آیا تھا اوراپنے گھوڑے کو روک کر مبارز و مقابل کو طلب کیا، حضرت علیؑ اس کے مقابل کو نکلے اور اس سے کہا کہ عمرو تم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب بھی کسی قریشی سے جنگ میں مڈ بھیڑ ہوگی تو اس کی دو شرطوں میں ایک شرط کو ضرور قبول کروگے۔

اس نے کہا : ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔آپ نے فرمایا : میں تجھ کو خدا و رسولؐ اور راہ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔اس نے کہا : مجھے ان سب چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔آپ نے فرمایا : تو میری دوسری پیشکش یہ ہے کہ تو گھوڑے سے نیچے اتر آ۔ اس نے کہا : بھتیجے ایسا کیوں؟خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔تو امیر المومنینؑ نے فرمایا : خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔عمرو کا چہرہ سرخ ہوگیا وہ گھوڑے سے کود پڑا اور اس کو زخمی کردیا اور اس کے چہرے پر کوڑے سے مارا اس کے بعد حضرت علیؑ کی جانب بڑھا، دونوں سپاہی پیدل حملوں کی ردو بدل کرنے لگے آپ نے اس کو قتل کردیا اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے ہنہناتے ہوئے سوار سمیت بھاگ کھڑے ہوئے[1]۔سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں اس آیت (وَ رَدَّ اللّٰہُ الَّذِینَ کَفَرُوا بِغَیظِہِم لَم یَنَالُوا خَیراً وَ کَفَی اللّٰہُ المُؤمِنِینَ القِتَالَ[2]) کے ضمن میں نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابن مُردویہ نیز ابن عساکر نے ابن مسعود

---

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج۲، ص۲۴۴، تاریخ طبری، ج۲، ص۵۷۳، الکامل ابن اثیر، ج۲، ص۱۸۱
[2] سورہ احزاب، آیت۲۵

سے نقل کیا ہے کہ وہ اس حرف کو ایسے پڑھتے تھے (وَ کَفَیٰ اللّٰہُ الْمُؤمِنِینَ الْقِتَالَ) بعلیؑ بن ابی طالب۔ ذہبی نے بھی نقل کیا ہے کہ ابن مسعود یوں پڑھا کرتے تھے (وَ کَفَیٰ اللّٰہُ الْمُؤمِنِینَ الْقِتَالَ) بعلیؑ[1]۔ عمرو بن عبدود کی شہامت کے باعث مسلمان اس کے مقابل جانے سے کترا رہے تھے، خود رسول اکرمؐ بھی حضرت علیؑ کا اس کے مقابل جانا پسند نہیں کر رہے تھے۔

ابو جعفر اسکافی نے اس واقعہ اور رسولؐ کی کیفیت کی تفصیل ابن ابی الحدید معتزلی سے کچھ یوں نقل کی ہے جو اس نے تاریخ سے لیا ہے، ''رسولؐ عمرو کے مقابل علیؑ کے جانے سے احتراز کر رہے تھے آپ نے (حضرت علیؑ) کی حفظ و سلامتی کی دعا کی ہے، جب حضرت علیؑ روز خندق عمرو بن عبدود کے مقابل نکلے تو رسولؐ نے اصحاب کے جھرمٹ میں اپنے دست مبارک کو اٹھا کر یہ دعا فرمائی: ''اللّٰھم انک أخذت منی حمزۃ یوم احد و عبیدہ یوم بدر فاحفظ الیوم علیاً'' خدایا! تو نے احد میں حمزہ کو اور بدر میں عبیدہ کو مجھ سے لے لیا لہٰذا آج کے دن علی کی حفاظت فرما، اور یہ کیفیت اس وقت طاری ہوئی جب عمرو بن عبدود نے مبارز طلب کیا تو سارے مسلمان خاموش تماشائی بنے تھے اور علیؑ ہی آگے بڑھے تھے اور اذن جہاد طلب کیا تھا، خود رسولؐ نے اس وقت فرمایا تھا: ''علی یہ عمرو ہے'' حضرت علیؑ نے جواب دیا تھا: ''میں علی ہوں'' آپ نے علی کو قریب کیا اور آپ کے بوسے لئے اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور چند قدم آپ کے ساتھ وداع کرنے کے ارادے سے آئے، آپ پر شاق ہو رہا تھا اور آنے والے لمحات کا انتظار کر رہے تھے، آسمان کی جانب اپنے ہاتھ اور چہرے کو بلند کیئے (دعا کر رہے تھے) اور مسلمانوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب غبار جنگ چھٹا اور اس میں سے تکبیر کی آواز سنائی دی تو لوگوں نے جانا کہ علیؑ کے ہاتھوں عمرو قتل ہو چکا ہے، رسولؐ نے صدائے تکبیر بلند کی اور مسلمانوں نے ایک آواز ہوکر رسول کا ساتھ دیا جس کی گونج خندق کے اس پار افواج مشرکین کے کانوں سے ٹکرائی۔ اسی وجہ سے حذیفہ یمانی نے کہا ہے کہ اگر روز خندق علی کی فضیلت کو تمام مسلمانوں پر تقسیم

[1] میزان الاعتدال، ج۲، ص۱۷

کر دیا جائے تو سب کو اپنے احاطہ میں لے لیگی۔ابن عباس اس قول خدا کے بارے میں کہتے ہیں: (وَ کَفَی اللّٰہ المؤمنین القِتَالَ)، بعلیؑ ابن ابی طالب!!

حضرت علیؑ خیبر میں

ساتویں ہجری میں خود رسول اکرمؐ شریک لشکر تھے اور خیبر کے قلعوں کی فتح چاہتے تھے جہاں وہ لوگ پناہ لئے ہوئے تھے آپ نے بعض اصحاب کو اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجا مگر ان سے کچھ نہ بن پڑا۔بریدہ سے روایت ہے کہ جب کبھی آپ طاقت فرسا سفر کرتے تھے تو ایک یا دو دن باہر نہیں آتے تھے اور جب رسولؐ نے یہ دشوار سفر طے کیا تو آپ باہر نہیں آئے ابوبکر نے علم رسول اٹھایا اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اپنے تئیں حملات کیئے اور واپس آگئے، پھر عمر نے علم رسول کو سنبھالا اورابوبکر سے زیادہ جنگ میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی سر انجام فتح کے بغیر واپس آگئے۔جب رسولؐ کو ان حادثات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: کل میں اس کو علم دوں گا جو مرد ہوگا اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ قلع کو فتح کرے گا۔اس وقت علی وہاں نہیں تھے، سارے قریش اس بات کی آس لگائے بیٹھے تھے اور اس بات کے امیدوار تھے کہ اے کاش!آنے والے کل، میں ہی ہوتا۔صبح نمودار ہوئی علی اپنے اونٹ پر سوار ہوکر آئے اوراس کو خیمہ رسولؐ کے پاس بیٹھا دیا آپ کو آشوب چشم کی شکایت تھی لہذا آپ آنکھوں پر ایک معمولی قسم کے کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے تھے۔ رسولؐ نے پوچھا: کیا ہوا تمہیں؟آپ نے کہا: آشوب چشم۔رسول اسلامؐ نے کہا: قریب آؤ!علی قریب گئے، رسولؐ نے آنکھوں میں لعاب دہن لگایا،آنکھوں کا درد جاتا رہا،اس کے بعد علم عطا فرمایا، علیؑ اس کو لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ان کے جسم پر ایک سرخ رنگ کا لباس تھا آپ گنجان نخلستان سے گذر کر خیبر تک پہنچے،ادھر سے قلعہ کا محافظ مرحب اس حال میں نکلا کہ اس کے سر پر خود اور خود پر زرد یمنی پارچہ کا عمامہ اور عمامہ پر ایک پتھر میں سوراخ کیا ہوا انڈے کی مانند ایک اور خود،اور وہ خود بالکل میں رجز پڑھ رہا تھا۔ ''قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب''،''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، اسلحوں سے لیس اور تجربہ کار بہادر

ہوں"، امیر المومنینؑ نے فرمایا: انا الذی سمتنی امی حیدرہ اکلیکم بالسیف کیل السندرۃ لیث بغابات شدید قسورۃ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں تم لوگوں پر آتش ذوالفقار کی بارش کردوں گا، میں شیر بیشۂ شجاعت اور بے خوف بہادر ہوں۔ دونوں سپاہیوں میں وار کا رد و بدل ہوا اور حضرت علی اس پر حاوی ہوگئے اور ایسی کاری ضرب لگائی کہ پتھر سمیت خود کو کاٹتے ہوئے ڈاڑھ تک اتر گئی اور پھر شہر فتح ہوگیا۔ رسولؐ کے غلام ابی رافع ناقل ہیں کہ جب رسولؐ نے علی کو علم عطا فرمایا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا جب قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ میں پناہ گزیں افراد باہر نکل پڑے آپ نے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہودیوں میں سے ایک شخص نے ایسا وار کیا کہ علی کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر گئی آپ خیبر کے پاس تھے، بڑھ کر در کو اکھاڑ لیا اور اس کو سپر کے طور استعمال کرنا شروع کردیا، آپ کے ہاتھوں میں ذرہ برابر لرزہ نہیں تھا جہاد جاری رکھا یہاں تک کہ فتح سے ہمکنار ہوگئے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد اس کو دور پھینک دیا. میں نے اپنے کو سات افراد کے درمیان پایا کہ جن میں آٹھواں میں تھا سب نے مل کر ایڑی چوٹی کی طاقت لگادی پھر بھی اس کو ذرہ برابر ہلا نہ سکے[1]۔ محدثین نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے، خود حاکم نے حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے، آپ نے ابی لیلیٰ سے فرمایا: اے ابی لیلیٰ کیا تم ہمارے ساتھ خیبر میں نہیں تھے؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؑ نے فرمایا: جب رسولؐ نے ابوبکر کو خیبر میں بھیجا تو وہ لوگوں کے ساتھ گئے حملہ کیا لیکن (فتح کے بغیر) واپس آگئے۔ آپ ہی سے دوسری روایت ہے کہ: رسولؐ نے خیبر میں عمر کو بھیجا وہ لوگوں کے ہمراہ شہر یا قلعہ خیبر تک گئے جنگ کی، لیکن ان سے جب کچھ نہ بن پڑا تو اپنے اصحاب کے ہمراہ اس حال میں لوٹے کہ اصحاب ان کی، اور وہ اصحاب کی مذمت کر رہے تھے[2]۔

---

[1] تاریخ طبری، ج٣، ص١١، حوادث ٧ ھ ، جنگ خیبر، الکامل ابن اثیر، ج٢، ص٢١٩، سیرۂ ابن ہشام، ج٢، ص٣٣۴

[2] المستدرک علی الصحیحین، ج٣، ص٣٧، کتاب المغازلی ذہبی نے تلخیص میں اس صحت کی موافقت کی ہے۔

حضرت علیؑ اور جنگ حنین

جنگ حنین میں مسلمان اپنی کثرت پر بہت مغرور تھے جب رسولؐ نے شہر چھوڑا اس وقت آپ کے ہمراہ دس ہزار فوجی تھے جو فتح مکہ میں شریک کار تھے اور فتح مکہ کے نو مسلم دو ہزار افراد بھی شانہ بشانہ تھے۔ جب ہوازن اور ان کے حلیفوں نے شدت کا حملہ کیا تو اس وقت مسلمانوں کی کثرت کے باوجود ان کی کافی تعداد نے میدان خالی کردیا۔ اس وقت رسولؐ اپنے اقرباء اور قبیلہ میں سے نو افراد کے ہمراہ میدان میں ڈٹے رہے بقیہ سارے مسلمانوں نے بھاگنے کو ترجیح دی۔ یہ نو افراد رسولؐ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، عباس، رسول کے خچر کو سنبھالے ہوئے تھے اور علیؑ تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے، بقیہ افراد خچر کے آس پاس جمع تھے اور مہاجرین و انصار کا کہیں اتہ پتہ تک نہیں تھا[1]۔

انس راوی ہیں کہ روز حنین عباس بن عبد المطلب، ابوسفیان بن حارث یعنی رسولؐ کے چچازاد بھائی کے سوا سارے لوگ رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، رسولؐ نے حکم دیا کہ منادی ندا دے کہ اے اصحاب سورۂ بقرہ! اے گروہ انصار! یہ آواز بنی حرث بن خزرج میں گونج رہی تھی جب انھوں نے سنی تو پلٹ آئے خدا کی قسم ان کی آوازیں ایسی تھیں، جیسے اونٹنی اپنے بچے کو تلاش کرتی ہے، جب وہ لوگ اکٹھے ہوئے تو آتش جنگ بھڑک اٹھی اور رسولؐ نے فرمایا: اب تنور (جنگ) گرم ہوگیا ہے۔ آپ نے سفید کنکریاں اٹھائیں اور ان کو پھینک دیا اور کہا: رب کعبہ کی قسم دشمن شکست کھاگئے۔ اس دن علی ابن ابی طالبؑ سب سے زیادہ دلیرانہ حملہ کر رہے تھے[2]۔ ہ سارے واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ علیؑ کی ہی وہ ذات ہے جو میدان جنگ میں سب سے آگے آگے رہتی تھی اور انہی کی ذات اس بات کی لیاقت رکھتی ہے جو سخت و مشکل لمحات میں امت کی رہبری کر سکے، جس طرح طالوت نے اپنی امت کی قیادت بہترین نصرت کے ساتھ کی تھی، اور جالوت اور اس کے ہوا خواہوں کو سرزمین فلسطین سے کھدیڑ دیا تھا، اور صحرا میں بنی اسرائیل کی حیرانی و سرگردانی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۳، ص۲۷۸

[2] مجمع الزوائد، ج۶، ص۱۸۰ . اور اس بات کے مدعی ہیں کہ ''الاوسط'' میں ابو یعلی اور طبرانی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے راوی حضرت عمر بن داؤد کے علاوہ سب صحیح ہیں.

اختلاف کے اسباب

ہمارا مقصد اس وقت حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو اتنے ہیں جن کو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا اوراس موضوع پر تو متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں ہمارا اصل مقصد ان حقیقی دعووں کی وضاحت ہے جس میں رسولؐ نے علیؑ کی لیاقت و صلاحیت کا اعلان کیا ہے اور امت مسلمہ کی حیات میں رونما ہونے والے جنگی اور صلحی اہم موارد کا اظہار ہے اور یہ ساری باتیں چچازاد بھائی اوراہلبیت ہونے کی وجہ سے نہیں تھیں جیسا کہ اس کے بارے میں ہم پہلے ہی تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔رسولؐ کا اصلی مقصد فرزندان توحید کی توجہات اس جانب مبذول کرانا تھی کہ علی اور اہلبیت رسولؐ ان کے بعد مرجعیت اسلامی کی اہلیت و لیاقت رکھتے ہیں، پیغمبرؐ کے کلام کا لب لباب یہ تھا کہ امت مسلمہ اس بات کو تسلیم کرے جو اس بات کا سبب بنی کہ نظریاتی اختلاف ہو۔ ان میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو ارادہ نبوت کے سامنے سر تسلیم خم کردیئے تھے کیوں کہ شریعت محمدی، وحیٔ سماوی کا پرتو علی تھی،کچھ وہ لوگ تھے جو یہ سوچ رہے تھے کہ رسولؐ اپنے چچازاد بھائی اور اہلبیت کے ساتھ مشفقانہ اور محبتانہ برتاؤ کر رہے تھے اسی کے سبب انھوں نے یہ خیال کرلیا کہ حق مشورت رکھتے ہیں بلکہ اعتراض کا بھی حق رکھتے ہیں،اس کا ثبوت بھی موجود ہے جو حسد کے سبب بعض لوگوں کی جانب سے معرض وجود میں آیا۔

ہماری یہ بات صرف ادعا کی حد تک اور بے بنیاد نہیں ہے، بلکہ متواتر روایات اس حقیقت پر گواہ ہیں بریدہ کی گذشتہ روایت آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ خالید بن ولید نے بریدہ کو رسولؐ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ علی کی شکایت کریں وہ اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اسی لئے تو خالد نے بریدہ سے کہا تھاکہ وہ کنیز مال غنیمت کی تھی جو تصرف میں لائی گئی ہے۔یہ بات اور واضح ہوجاتی ہے ان اصحاب کے اقوال سے جو بریدہ کو اکسا رہے تھے کہ رسول کے پاس جاکر شکایت کرو تاکہ علی رسول کی نظروں سے گر جائیں پھر رسول غیض و غضب کی صورت میں باہر آئے تھے اوراصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا تھا: ''جس نے علی کو اذیت دی اس نے خود رسول اکرمؐ کو اذیت دی''،جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ (یوم الطائف) طائف کے روز جب رسول اور علی

کی سرگوشی طولانی ہوگئی تو لوگوں کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں تھے، لوگوں نے (طنزاً) کہا کہ اس دن تو سرگوشی بہت طولانی ہوگئی۔ رسول نے فرمایا: میں نے علی سے (نجویٰ) سرگوشی نہیں کی ہے بلکہ اللہ نے ان سے نجویٰ کیا ہے[1]۔ زید بن ارقم راوی ہیں کہ مسجد نبوی میں بہت سارے اصحاب کے دروازے کھلتے تھے تو آپ ؐنے فرمایا: ''علی کے علاوہ سب کے دروازے بند کردو''۔

لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کردیں تو رسول کھڑے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: میں نے علی کے علاوہ سارے دروازوں کو بند کرنے کے لئے کہا تھا تو تم لوگوں نے اعتراض کیا ہے! خدا کی قسم نہ ہی میں نے کوئی چیز کھلوائی ہے اور نہ ہی بند کرائی ہے بلکہ مجھ کو کسی بات کا حکم دیا گیا تھا جس کو بجالایا ہوں[2]۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھ اور دو افراد مسجد میں بیٹھے ہوئے علی کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کہیں اتنے میں رسول آگئے آپ اس قدر غصہ میں تھے کہ چہرے سے اس کے آثار نمایاں تھے. ہم نے اس دن رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگی، آپ نے فرمایا: ''تم کو کیا ہوگیا، آخر ہم سے کیا چاہتے ہو، جس نے علی کو اذیت دی اس نے ہم کو اذیت دی[3]''خود حضرت امیرالمومنین ناقل ہیں کہ ہم مدینہ کی گلیوں سے گذر کر ایک باغ میں پہنچے رسول ہمارے ساتھ تھے اور وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، میں نے کہا: یا رسول اللہ یہ باغ کتنا خوبصورت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جنت میں اس سے حسین باغ ہمارے لئے ہے'' جب راستہ ختم ہوا تو رسولؐ نے مجھے گلے سے لگایا اس کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے میں نے عرض کی، یا رسول اللہ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے کینے بھرے ہیں جو میرے بعد ظاہر کریں گے۔ جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ میرا دین سلامت ہے نہ۔؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں تمہارا دین سلامت ہے[4]۔ حیان اسدی سے روایت ہے کہ میں نے امیرالمومنین کو فرماتے ہوئے سنا کہ

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ج۲، ص۱۸۶، تاریخ دمشق ابن عساکر، ج۲، ص۳۱۲

[2] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۵

[3] مجمع الزوائد، ج۹، ص۲۹، پر کہا ہے کہ ابویعلی اور بزار نے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اوریعلی کے راویان صحیح السند ہیں سوائے محمود بن خداش و قنان، یہ دونوں ثقہ ہیں.

[4] مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۱۸

آپ نے فرمایا کہ رسولؐ نے میرے لئے فرمایا: میرے بعد امت تم سے جنگ کرے گی اور تم میری راہ شریعت پر گامزن ہوگے اور میری سنت پر جہاد کروگے جو تم سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا جس نے تم کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا اور یہ اس سے خضاب ہوگی[1]۔ (یعنی تمہاری ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہوگی) اہلبیت سے خلافت کو جدا کرنے کا زمینہ فراہم ہوچکا تھا۔

نبوت و خلافت بنی ہاشم میں جمع نہ ہونے کی ایک وجہ حسد تھی جس کو قریش کے سرکردہ افراد کسی صورت میں جائز نہیں سمجھتے تھے کہ یہ دونوں چیزیں کسی ایک گھر میں اکٹھا ہو جائیں، یہ بات ابن عباس اور خلیفہ ثانی کے مذاکرہ سے اور واضح ہوجاتی ہے۔ عبد اللہ ابن عمر راوی ہے کہ ایک دن میں اپنے والد کے پاس بیٹھا تھا اور کئی افراد ان کے پاس جمع تھے اس وقت شعر کی بات نکل آئی، والد نے کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟تو لوگوں نے کئی لوگوں کا نام پیش کیا، اتنے میں عبد اللہ وارد ہوئے سلام کیا اور بیٹھ گئے، عمر نے کہا کہ باخبر شخص آگیا ہے، عبد اللہ! سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ تو انھوں نے کہا: کہ زہیر ابن ابی سلمیٰ، عمر نے کہا کہ اس کے بہترین اشعار کو سناؤ؟عبد اللہ نے کہا: کہ امیر اس نے بنی غطفان جن کو بنی سنان کہا جاتا تھا ان کی مدح کی ہے۔ ''اگر کرم و سخاوت کے سبب کوئی قوم سورج پر جاکر قیام کرے تو وہی قوم ہوگی جس کا باپ سنان ہے، وہ خود پاک ہے اور اس کی اولادیں بھی طاہر ہیں، اگر امن اختیار کریں تو انسان کامل، اگر بپھر جائیں، تو جنات صفت، اگر علم و تحقیق کا میدان اختیار کریں، تو دانائے دہر ہیں، اللہ کی دی ہوئی نعمات کے سبب لوگ ہمیشہ ان سے حسد کرتے رہے اور مورد حسد واقع ہونے کے سبب اللہ نے ان سے نعمتیں نہیں سلب کیں۔ عمر نے کہا: خدا کی قسم بہت عمدہ ہے اوراس تعریف کا حقیقی مستحق صرف بنی ہاشم کا گھرانہ ہے کیونکہ رسول اللہ سے سب سے زیادہ قریب یہی لوگ تھے۔ ابن عباس نے کہا: امیر! خدا آپ کا بھلا کرے۔ عمر نے کہا: ابن عباس جانتے ہو لوگوں نے تم کو کیوں اس (خلافت) سے روک دیا؟عبد اللہ نے کہا: نہیں! عمر نے کہا: ہم جانتے ہیں! ابن عباس نے کہا: امیر وہ کیا ہے؟

[1] المستدرک، ج۳، ص۱۴۳. ذہبی نے اس کو صحیح جانا ہے اور اس کی موافقت کی ہے.

عمر نے کہا: لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و خلافت تم (بنی ہاشم) میں اکٹھا ہوجائے، اور تم لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت غرور و تکبر کا اظہار کیا، قریش نے اس مسئلہ کو خود سے حل کیا اوراس میں کامیاب ہوگئے۔ابن عباس نے کہا: امیر کیا میری باتوں کو غصہ ہوئے بغیر سن سکیں گے؟

عمر نے کہا: جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو۔عبد اللہ نے کہا: امیر جو آپ نے کہا کہ قریش نے کراہت کی! تو قول پروردگار ہے کہ (ذٰلِکَ بِأَنَّہُم کَرِہُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰہ فَأَحْبَطَ أعمالَہُمْ[1]) خدا نے جو کچھ نازل کیا تھا اس کوان لوگوں نے ناپسند کیا لہذا ان کے اعمال حبط (ختم) کردیئے!۔اور آپ کی یہ بات کہ ہم غرور کر رہے تھے تو اگر ہم خلافت پر فخر کر رہے تھے تو قرابت پر بھی تو ہم نازاں تھے جبکہ ہمارا اخلاق رسول اکرمؐ کے اخلاق سے مشتق تھا کیونکہ خدا نے آپؐ کے بارے میں فرمایا: (إِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ[2]) اے رسول آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔دوسری جگہ پر خدا نے آپ کے لئے فرمایا: (وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ المؤمنین) اے میرے حبیب اپنے پیروکاروں سے انکساری سے پیش آئیں[3]۔آپ نے جو یہ کہا کہ قریش نے چن لیا تو خدا فرماتا ہے کہ: (وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَ یَخْتَارُ مَاکَانَ لَہُمُ الْخِیَرَة) اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے ان لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔[4]اور امیر آپ جانتے ہیں کہ خدا نے اپنے بندوں میں کس کو منتخب کیا اگر قریش ویسے دیکھتے جیسے خدا نے دیکھا ہے تو اپنے فیصلہ میں صحیح طور سے کامیاب ہوتے۔عمر نے کہا: ابن عباس ذرا متانت سے کام لو، تم بنی ہاشم کے قلوب، بغض سے بھرے ہوئے ہیں خاص طور سے قریش کے حوالے سے بالکل کمی نہیں ہے اور یہ ایسا کینہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔ابن عباس نے کہا: امیر ذرا ٹھہریئے! آپ نے بنی ہاشم کو دھوکے باز کہا ہے ان کے قلوب قلب رسول کا جزء ہیں جس کو خدا نے طاہر اور پاک بنایا ہے وہ اہلبیت رسولؐ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: (إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہ

---

[1] سورۂ محمد، آیت۹
[2] سورۂ قلم، آیت۴
[3] سورۂ شعراء، آیت ۲۱۵
[4] سورۂ قصص، آیت ۶۸

لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَہْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیرًا[1]) جو آپ نے یہ کہا کہ کینہ ہے تو وہ شخص کیسے نہ اس کا شکار ہوگا جس کا حق چھین لیا گیا ہو اور اس کی ملکیت دوسرے کے ہاتھوں میں ہو۔ عمر نے کہا : ابن عباس تمہارے حوالے سے کچھ بات مجھ تک پہنچی ہے جس کو میں بیان نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ تم میری نگاہوں میں گر جاؤ گے!ابن عباس نے کہا : امیر کہیے کیا بات ہے اگر باطل ہے تو میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے آپ سے باطل کو جدا کر دیا اور اگر حق ہے تو آپ کی نظروں سے گرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ عمر نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم مستقل یہ کہتے پھر رہے ہو کہ یہ امر (خلافت) حسد اور ظلم کی بناء پر تم (بنی ہاشم) سے چھین لیا گیا ہے۔

ابن عباس نے کہا : اے امیر!آپ کا حسد کے متعلق کہنا تو درست ہے اس لئے ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا تھا جس کی بناء پر وہ جنت سے نکال دیا گیا تھا لہٰذا ہم فرزندان آدم محسود (جس سے حسد کیا جاتا ہے) ہیں!رہی آپ کی ظلم والی بات، تو امیر بہتر جانتے ہیں کہ اصلی حقدار کون ہے؟اس کے بعد کہا کہ اے امیر! کیا عرب، عجم پر رسولؐ کے سبب فخر نہیں کرتے؟ اور قریش سارے عرب پر رسولؐ کی بناء پر ناز نہیں کرتے اور ہم سارے قریش کے بنسبت رسولؐ سے زیادہ قریب ہیں۔ عمر نے کہا : اٹھو اور یہاں سے اپنے گھر جاؤ۔ عبد اللہ اٹھے گھر کی طرف چل دیئے اور جب واپس ہوئے تو عمر نے آواز دی، ابن عباس! میں تیرے بنسبت زیادہ حقدار ہوں۔ عبد اللہ، عمر کی جانب مڑے اور کہا کہ اے امیر! ہم تم سے اور پوری امت مسلمہ سے زیادہ رسولؐ کی وجہ سے حقدار ہیں جس نے اس کی حفاظت کی گویا اس نے اپنے حق کی حفاظت کی، جس نے اس کو ضائع کیا گویا اس نے اپنا حق ضائع کردیا۔[2] اس سے بڑھ کر اس وقت قوم نے جس بات کو دلیل بنا کر حضرت علیؑ سے خلافت کو جدا کردیا تھا وہ بات یہ تھی کہ حضرت علیؑ نے اسلام کی عظیم جنگوں میں مشرکین کے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بظاہر ان کی گردنوں میں اسلام کا قلادہ پڑا تھا لیکن دلوں میں جنگوں کے کینے چھپائے ہوئے تھے اور عثمان بن عفان (خلیفۂ ثالث) نے

[1] سورۂ احزاب، آیت ٣٣
[2] شرح ابن ابی الحدید، ج١٢، ص٥٢

اس بات کی وضاحت بھی کی ہے۔ ابن عباس نے جیسا کہ روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ اور عثمان کے درمیان کچھ کلامی ردوبدل ہوئی تو عثمان نے کہا کہ، قریش تم سے محبت نہیں کرتے تو یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ آپ نے جنگ بدر میں ان کے ستر آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کے چہرے سونے کی بالیاں تھیں ان کو عزت ملنے سے پہلے ہی ان کی ناک رگڑ دی گئی[1]۔

شاہراہ اجتہاد کا استعمال

(نص کے مقابل راہ اجتہاد) کی تدبیریں قوی اور بیخ کن تھی جنھوں نے خلافت کو اہل بیت سے جدا کر دیا اور اس طرح کے مواقع وفات رسول سے قبل اور غدیر کے بعد رونما ہونے لگے تھے، یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح تھی کہ رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنے بعد اسلام کا مطلق مرجع و مرکز گردانتے تھے تاکہ اسلامی شہروں کی سیاسی، عسکری، اقتصادی، دینی، اور ہر طرح کی دیکھ بھال میں رسول اکرمؐ کے مکمل جانشین ثابت ہوسکیں۔ جب رسولؐ نے لشکر اسامہ کے ساتھ جنگ میں شرکت کے مسئلہ میں بعض لوگوں کی نافرمانی اور روگردانی دیکھی تو اس بات کا ارادہ کیا چونکہ نبی مرض الموت میں مبتلا ہیں اور آفتاب رسالت بس غروب ہونے والا ہے اور آپ کا وجود نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا لہٰذا کوئی شخص ان کا جانشین معین ہوجائے اور پہلے نظریہ کے حامل اصحاب میں موجودہ صورت حال سے کھلبلی مچی ہوئی تھی، اور رسولؐ جوارِ رب میں جانے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے اور وہ مدینہ منورہ کو ایک دور افتادہ زمین کے لئے میدان جنگ بنانا چاہتے تھے اور اس کے جنگی نتیجہ سے بالکل بے خبر تھے، اور حضرت علیؑ اور ان کے ہم فکر افراد اس حملہ کے حق میں نہیں تھے تو ظاہر سی بات ہے کہ ایسے وقت میں رسول کی ذاتی تدبیر کیا تھی؟۔ اور یہ صرف اس لئے تھا کہ یہ مسئلہ مرکز سے دور ہو جائے اور فضا سازگار ہو جائے تاکہ علی کی ولایت کا استحکام آسان ہو جائے اور جب فوج اپنی مہم کو سر کر کے واپس آئے گی تو اس وقت مسئلہ خلافت بنحو احسن انجام پذیر ہو چکا ہوگا۔ علیؑ کی بیعت ہو چکی ہوگی اور امور اپنی جگہ مستقر ہو چکے ہوں گے اس وقت کسی قسم کا اختلاف نہیں رہ جائے گا اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا اور سب

---

[1] شرح ابن ابی الحدید، ج۹، ص۲۲

اس جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے جہاں لوگ پہلے سے جمع ہیں۔ حزب مخالف (اپوزیشن پارٹی) کے لوگ اس حقیقت کو تاڑ گئے تھے لہٰذا انھوں نے جیش اسامہ کی پیش قدمی میں ٹال مٹول کر رہے تھے، ہرچند کہ رسولؐ اسامہ کے لشکر کو جلد از جلد روانہ ہونے پر مصر تھے اور بار بار تکرار فرماتے تھے کہ ''انفذ و ابعث اسامہ'' جیش اسامہ کو جلد روانہ کرو، یہ جملہ خود رسولؐ کی بے کیفی کا غماز ہے کیونکہ آپ کی عجلت کے باوجود ان کے تعمیل حکم میں سستی برتی جارہی تھی جبکہ آپ چاہتے تھے کہ مرکز خرافات دور ہوجائے اور یہاں سے چہ میگوئیاں ختم ہو جائیں۔

اس کے بعد رسولؐ نے دوسرا موقف اختیار کیا اور فیصلہ کو قطعی اور حتمی شکل دینے کے لئے اور اپنے بعد علیؑ کو اپنا وزیر مقرر کرنے کے لئے ایک تحریری ثبوت مہیا کرنا چاہا جس سے انحراف کا امکان نہیں تھا، لہٰذا اصحاب سے اس بات کی خواہش کی کہ قلم و دوات مہیا کردیں تاکہ ان کے لئے نوشتہ لکھ دیں اور وہ لوگ گمراہی سے بچ جائیں جیسا کہ اس کی خبر گذشتہ بحثوں میں گذر چکی ہے۔ اجتہادی نقطۂ نظر سے اس بات کا انکشاف مشکل نہیں تھا کہ اس تحریر کے معنی و مقصد کو سمجھ لیا جائے، کیونکہ رسولؐ بستر موت پر ہیں اور صورت حال کچھ ناگفتہ بہ ہے لہٰذا اس نوشتہ میں صرف وصیت ہی ہوگی! جس کا پورا پورا یقین پایا جاتا ہے اور اس تحریر میں رسول کی وصیت میراث اور اس کے مثل مسائل سے قطعی مربوط نہ ہوگی، کیونکہ رسولؐ کا قول ''لاتضلون بعدہ'' تاکہ اس تحریر کے بعد گمراہی نہ ہو، رسولؐ کا قول صرف امت اور اسلام کے مستقبل سے متعلق تھا کیونکہ شریعت اب مکمل ہوچکی تھی اور خداوند تعالیٰ نے اس بات کی خبر بھی دے دی تھی، (أَلْيَومَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِيناً[1]) اے رسول، آج کے دن ہم نے آپ کے دین کو مکمل کردیا اور آپ پر نعمتیں تمام کردیں اور آپ کے دین اسلام سے راضی ہوگیا۔ مذکورہ آیت کو حدیث رسولؐ کے اس فقرہ ''لاتضلون بعدہ'' سے جو حدیث ثقلین سے مربوط ہے کہ ''ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا'' جب تک قرآن و اہل بیت سے متمسک رہوگے گمراہ نہیں ہوگے، تقابل کرنے سے یہ بالکل عیاں ہوگیا کہ رسولؐ اس وصیت میں اپنے بعد اہلبیت کے سلسلہ میں

[1] سورۂ مائدہ، آیت

وصیت کرنا چاہتے تھے اور ان کے سربراہ و سردار حضرت علیؑ کے سلسلہ میں وضاحت کرنا چاہتے تھے، اسی سبب شاہراہ اجتہاد کے سالکین اپنی تمام تر قوتوں سمیت مقصد رسالت کو مکمل ہونے سے مانع ہوئے اور اس بات تک کا خیال کر بیٹھے کہ رسول مرض کے سبب معاذ اللہ ہذیان بکنے لگے ہیں۔

رسولؐ کے پاس اس نافرمانی کا کوئی بدل نہیں تھا جو انھوں نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا وہ بھی اس طرح کی مخالفت کی صورت میں جو انھوں نے انجام دیا تھا سوائے اس کے کہ اس بھرے مجمع میں یہ کہدیں کہ ''قوموا عنی...'' یہاں سے چلے جاؤ!یہ نتیجہ صرف ہمارے ہی نزدیک نہیں ہے بلکہ خود عمر نے اس کی وضاحت کی ہے۔ میں نے کہا: مسجد سے۔پھر پوچھا کہ اپنے چچازاد بھائی کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ میں سمجھا کہ عبد اللہ بن جعفر کے بارے میں سوال کیا ہے میں نے کہا: وہ اپنے ہمسن بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہے۔انھوں نے کہا: میری مراد وہ نہیں ہے بلکہ تم اہل بیت کے سید و سردار۔ میں نے کہا: وہ فلاں شخص کے باغ میں آبیاری کر رہے ہیں اور تلاوت قرآن فرماتے جارہے ہیں۔

انھوں نے کہا: عبد اللہ!تمہاری گردن پر قربانیوں کا خون ہوگا اگر تم نے چھپایا، سچ بتاؤ کیا اب کوئی چیز ان کی خلافت میں باقی رہ گئی ہے!؟میں نے کہا: ہاں۔انھوں نے کہا: کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ان کے لئے کوئی نص بیان کی ہے؟میں نے کہا: ہاں، بلکہ اس سے زیادہ، میں نے اپنے والد سے اس بارے میں سوال کیا، جس بات کے وہ (علیؑ) مدعی تھے؟تو انھوں نے کہا: ہاں۔ عمر نے کہا: علی کے بارے میں رسول کے قول میں کئی رخ پائے جاتے تھے اور کوئی بطور حجت پیش نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ قابل قبول عذر ہوں گے، وہ خود حالات کے تحت علی کے سلسلہ میں اپنے قول میں توقف فرماتے تھے۔ رسولؐ آخری وقت میں علی کے نام کو معین کر دینا چاہتے تھے مگر میں نے اسلام کی حفاظت کے پیش نظر اس کام کو ہونے نہیں دیا، نہیں بالکل نہیں، قسم ہے رب کعبہ کی کبھی بھی علی کی ذات پر قریش اتفاق کر ہی نہیں سکتے، اور اگر علی کو قریش کا حاکم بنا بھی دیتے تو عرب چار سمتوں سے ان

کی مخالفت کرتے۔ رسول خدا اس بات کو قطعی سمجھ گئے تھے کہ میں ان کے دل کے راز سے واقف ہوں لہٰذا انھوں نے اس سے پرہیز کیا اور خدا نے حتمی فیصلہ پر دستخط ہونے سے گریز کیا[1]۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص۲۱۔ ۲۰ پر اس بات کا دعوىٰ کیا گیا ہے کہ احمد بن ابی طاہر صاحب تاریخ بغداد نے اس کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے.

تیسری فصل

آغاز تشیع

مسلک اجتہاد جو کہ وصیت و تعلیمات نبوی کے مقابل کبھی بھی سر تسلیم خم کرنے کے قائل نہیں تھا، اس کے مقابل ایک فرمانبردار گروہ وہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ نبی اکرمؐ کے تمام احکامات کا مطیع ہونا چاہئے وہ جس امر سے بھی متعلق ہو، چاہئے وہ احکامات شریعت ہوں یا رحلت رسالت کے بعد امور کی انجام دہی، لہذا کچھ مردان خدا نے نص کی پیروی کے مسلک کی بنیاد رکھی اوران کی تعداد شاید دس سے زیادہ نہ ہو، لیکن بعد میں افراد ان کے گروہ میں شامل ہوتے چلے گئے۔ظاہر سی بات ہے کہ نص کی اتباع میں شریعت کے وہ امور جن میں ان کا موقف دینی مرجعیت اور رسولؐ کے بعد سیاسی مراحل سے متعلق ہے ان میں رسولؐ سے مدد طلب کی ہوگی، اور انھوں نے ولایت و شخصی اختیارات میں شخصی اجتہاد نہیں کیا ہوگا، اور یہ ایسا گروہ ہے جس پر نصوص نبوی کی تائید ہے حضرت علیؑ کے مانند حسین وجامع کمالات شخص کے لئے جو نفسانی اور اخلاقی صفات کے حامل ہیں تاکہ یہ عظیم منصب صحیح جگہ مستقر ہو سکے جس پر وہ پیغام متوقف ہے جس کے قوانین رسولؐ نے مرتب کئے اور اس کی بنیاد ڈالی۔

لہذا رسولؐ کے بعد آنے والے شخص پر لازم ہے کہ اس مرکز کی حفاظت کرے اوراس کو ان مخالف آندھیوں سے بالکل محفوظ رکھے جو تبدیلئ زمان اور مرور ایام کے سبب طویل سفر میں درپیش ہوسکتی ہیں، خاص طور سے مسلمانوں کا وہ دور، جن کا زمانہ عہد ماضی سے بہت قریب ہے، اور ہجرت رسولؐ کے بعد نفاق کی ریشہ دوانیوں کی شدت کے وقت، اور بعض افراد کا مسلمین و مشرکین کے بیچ پیس دینے والی جنگ کے کینوں کے سبب متحد ہونا جن میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو فتح مکہ کے بعد شریک اسلام ہوئے ہیں اور یہ وہ وہی لوگ ہیں جن کو رسول نے (طلقاء) آزاد شدہ کہا ہے، اور مال وغیرہ کے ذریعہ ان کی قلبی مدد کی تھی۔اس بات کے

پیش نظر کی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف جو ان کے دلوں میں کینے چھپے ہیں وہ ختم ہو جائیں اور بعض لوگوں کے دلوں میں جو حب دنیا اور اس کی رنگینیوں سے دلچسپی رکھتے تھے وہ بجھ جائیں۔ نبی اکرمؐ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ سرداران قریش جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا (سرداریٔ قوم) اس کو چھوڑنے کے بعد بادل نخواستہ اسلام میں شامل ہوئے ہیں اور سردست ان کے پاس اس نئے اسلام کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا جبکہ اسلام ایک عظیم دین ہے پھر بھی وہ اس کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ آئندہ دنوں میں جزیرۂ عرب کے باہر کی اسلام دشمن طاقتیں مسلسل ڈرا رہیں تھیں اور اس کا نظیر صاحب قوت و قدرت حکومتیں تھیں۔ اور یہ بالکل فطری بات تھی کہ اس کا سبب مسلمانوں کا تحول ان حکومتوں کے لئے اور حیرت انگیز تھا جو حکومتیں اپنے آس پاس کے لوگوں کو ڈرا دھمکا رہیں تھیں ہر چند کہ ان کی گیدڑ بھبھکی کے مقابل مسلمانوں کے پاس حفاظت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ لہٰذا نص کی مکمل پیروی، اس اجتہادی روش کے سامنے جو نص شرعی اور نص نبوی کے مقابل علم بغاوت بلند کئے ہے، مدد کی خواہاں ہے جبکہ ایک لحاظ سے نص شرعی و نبوی کا مرکز حضرت علیؑ ہیں اور دوسرے لحاظ سے وجود ظاہری میں اس نبوی موقف کے مصداق بھی حضرت علیؑ ہی ہیں۔

رسول خداؐ نے فرمایا ''مَن اطاعنی فقط اطاع اللہ و مَن عصانی فقد عصی اللہ و مَن اطاع علیاً فقد اطاعنی و مَن عصی علیاً فقد عصانی''[1] جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''انا و علیٌ حجۃ اللہ علی عبادہ''[2] ہم اور علی بندگان خدا پر حجت خدا ہیں۔ قال رسول اللہ ''اُوحیَ اِلَیَّ فی علیٍّ ثلاث، انہ سید المسلمین، امام المتقین، قائد الغرّ المحجّلین'' اللہ نے علی کے سلسلہ میں میرے پاس تین چیزوں کے بارے میں وحی نازل کی کہ: ا۔ وہ سید المسلمین

---

[1] المستدرک علی الصحیحین،ج٣، ص١٢١، ابوذر سے روایت کی گئی ہے اور کہا گیاہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے، ج٣، ص٧١٢٨ الریاض النضرۃ، ج٢، ص١٦٧

[2] کنوز الحقائق للمناوی، ص٤٣، تاریخ بغداد، ج٧٢ ص٨٨، الریاض النضرۃ، ج٢، ص١٩٣، ذخائر العقبیٰ، ص٧٧، نقاش سے انھوں نے روایت کی ہے.

۲۔امام المتقین ۳۔قائد الغر المحجلین ہیں۔قال النبیؐ ﷺ: ''علیؑ مع الحق والحق مع علی و لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض یوم القیامۃ[1]''علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔اور آپ کا قول حضرت علیؑ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ''الحق مع ذا الحق مع ذا[2]''یہ اور اس کے مثل نصوص نبوی سے ان اصحاب نے یہ جانا کہ رسول اکرمؐ نے اس عظیم امر کو علی کے لئے ثابت کیا ہے یہ وہ ہیں جو حق کے ساتھ ہیں اور حق پر ہیں اور ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ بات گذر چکی ہے کہ رسولؐ نے قرآن و اہلبیت کو ایک دوسرے کا ساتھی و ہمنوا بتایا ہے اوراس بات کی ضمانت لی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔اس کے بعد یہی بات حضرت علیؑ سے مخصوص کی اور فرمایا: ''علی مع القرآن والقرآن مع رازی کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب ہمیشہ بسم اللہ کو بآواز بلند کہا کرتے تھے اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے اور جو کوئی بھی دین میں علی کی اقتدا کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہے

اور اس بات کی دلیل رسولؐ کا یہ قول ہے: ''اللّٰھم ادر الحق مع علیّ حیث دار'' خدایا حق کو اس طرف موڑ جدھر علی جائیں. تفسیر کبیر، ج۱، ص۲۰۴، باب الجہر بالبسملۃ علی، لن یفترقا حتی یردا علی الحوض[3]''جب قرآن حق ہے اوراس میں شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ علی حق کے ساتھ ہیں اور بالکل واضح ہے کہ علی حق پر ہیں لہذا ان کی اتباع اسی طرح واجب ہے جس طرح حق کی اتباع واجب ہے۔یہ وہ اہم دلائل ہیں اس گروہ کے جواتباع نص کو واجب کہتے ہوئے علیؑ سے تمسک کو ضرورت دین سمجھتے ہیں اور ان کی مخالفت کو ناجائز،اور ان کا موقف حیات رسولؐ ہی میں سب پر واضح تھا۔محمد کرد علی کہتے ہیں: کہ عصر رسولؐ ہی میں بزرگ صحابہ کرام ولایت علیؑ کے حامی تھے،جیسا کہ سلمان فارسی کہتے ہیں کہ ہم نے

---

[1] المستدرک، ج۳، ص۱۳۷، پر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، کنز العمال، ج۶، ص۱۵۷، الاصابہ، ج۴، ص۳۳، اسد الغابہ، ج۱، ص۶۹، ج۳، ص۱۱۴، الریاض النضرۃ، ج۲، ص۱۷۷، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۶۶، تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۱۲۲، الاستیعاب، ج۲، ص۶۵۷، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۲، فیض القدیر للمناوی، ج۴، ص۳۵۸، وغیرہ

[2] تاریخ بغداد، ج۱۴، ص۲۲۱، المستدرک، ج۳، ص۱۱۹، ۱۲۴، جامع ترمذی، ج۲، ص۲۹۸، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۳۴، ج۷ ،ص۲۳۵، فخر

[3] المستدرک، ج۳، ص۱۲۴، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۲۴، کنز العمال، ج۶، ص۱۵۳، فیض القدیر، ج۴، ص۳۵۶

رسولؐ کی بیعت مسلمین کے اتحاد، علی ابن ابی طالبؑ کے امام اور ان کی ولایت کے لئے کیا گیا تھا۔ انھیں کے مانند ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیا گیا تھا انھوں نے چار کو اپنایا اور ایک کو چھوڑ بیٹھے جب ان سے ان چاروں کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ: نماز، زکاۃ، ماہ رمضان کا روزہ اور حج۔ پوچھا گیا وہ کیا چیز ہے جس کو چھوڑ دیا گیا: تو کہا کہ ولایت علی بن ابی طالبؑ، پوچھنے والے نے کہا کہ کیا یہ بھی ان چیزوں کے ہمراہ فرض تھی۔

تو ابوسعید نے کہا: ہاں۔ اور انھیں کے ہمرکاب تھے، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، حذیفۂ بن الیمان و ذو الشہادتین خزیمہ بن ثابتؓ، ابو ایوب انصاری، خالد بن سعید بن العاص، قیس ابن سعد ابن عبادہ[1]۔ اور اس حقیقت کی جانب ڈاکٹر صبحی صالحی مائل ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ خود حیات رسولؐ میں شیعہ گروہ موجود تھا جو پروردۂ رسولؐ حضرت علیؑ کے تابع تھے، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، جابر ابن عبد اللہ، ابی ابن کعبؓ ابو طفیل عامر بن واثلہ، عباس بن عبد المطلب اور ان کے سارے فرزند، عمار بن یاسر ابو ایوب انصاری یہ سب شیعیان علیؑ تھے[2]۔

کلمۂ (شیعہ) کی اصطلاح بھی کوئی نئی نہیں ہے، بلکہ رسولؐ کے حیات مبارک کے آخری دنوں میں رائج ہوئی ہے جیسا کہ بعض افراد کا نظریہ ہے، بلکہ رسولؐ کی زندگی کے ابتدائی دنوں میں اور آخری ایام میں اس لفظ کی تکرار فرماتے تھے تاکہ علیؑ کی پیروی کرنے والوں پر دلالت کرے اور ان کو اس بات کی بشارت دی کہ وہ حق پر ہیں اور کامیاب ہیں اور وہ خیر الناس ہیں۔ مفسرین و حافظین قرآن نے یہ بات لکھی اور کہی ہے کہ جب یہ آیت (ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات أولئک ہم خیر البریۃ)، ایمان دار اور نیک عمل انجام دینے والے یقیناً بہترین گروہ ہیں، نازل ہوئی تو رسولؐ نے فرمایا: ''انت یا علی و شیعتک[3]'' اے علی! وہ نیک گروہ (خیر البریہ) تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔

---

[1] خطط الشام، ج۵، ۲۵۱

[2] النظم الاسلامیہ، ص۶۹

[3] تفسیر طبری، ج۳۰، ص۱۷۱، درمنثور، سیوطی نے کہا کہ ابن عساکر نے جابربن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ ہم سب رسول ؐ کے پاس بیٹھے تھے اور علی ؑ وارد ہوئے تو رسول ؐ نے ان کودیکھ کر فرمایا: ''والذی نفسی بیدہ ان ہذا و شیعتہ لہم الفائزون یوم القیامۃ'' قسم

راستہ کی نشاندہی

وہ اصحاب جو شیعیان علیؑ تھے ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت بنی ہاشم اور ان کے سردار سے خارج نہیں ہے اور اس پر رسولؐ کی تاکید بھی ہے اور مستقل لوگوں کو اس بات پر اکسایا ہے کہ علی اور اہل بیت رسولؐ سے متمسک رہیں، لیکن سقیفائی حادثات نے حالات کو یکسر بدل دیا اور علیؑ اور ان کے حامیوں کے لئے یہ بہت بڑا المیہ تھا، جبکہ کوئی ایک بھی ان کے ہم پلہ نہ تھا، علامات و نشانیوں کے باوجود اجتہادی مسلک کے پیرو اس مسئلہ (خلافت) میں ارادۂ نبوت کے حامی نہیں تھے ان کے سرداروں میں سے ایک نے ابن عباس سے صراحتاً کہا: قریش اس بات سے کترا رہے ہیں کہ نبوت و خلافت خاندان بنی ہاشم میں جمع ہو جائے۔

اور سارے حادثات اسی ناپسندیدگی کے باعث وجود میں آئے جس کے آثار سقیفہ بنی ساعدہ کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس مسلک کے ارادے کے اثرات حضرت علیؑ کے پیروؤں پر پوشیدہ نہیں تھے بلکہ ان افراد کے بیچ ایسے باشعور افراد تھے جو اس بات کو بخوبی درک کر رہے تھے کہ قریش کی ساری کوشش اس بات کی ہے کہ اس (خلافت) کو سردار قریش اور ان کے فرزندوں سے چھپا لیا جائے جیسا کہ براء بن عازب نے بیان کیا کہ: میں ہمیشہ بنی ہاشم کا دوست تھا جب رسولؐ کی وفات ہوئی تو مجھ کو اس بات کا ڈر پیدا ہوا کہ قریش کہیں بنی ہاشم سے خلافت کو ہتھیا نہ لیں، اس وقت میری کیفیت ایک حواس باختہ شخص کی سی تھی، اور رسولؐ کی وفات کے سبب میں بہت غمزدہ تھا میں بنی ہاشم کے پاس آمد و رفت کر رہا تھا تو وہ حجرۂ رسالت میں جمع تھے اور میں قریش کے بزرگوں کا جائزہ لینے جا رہا تھا، اور عمر و ابوبکر کی وفات کے وقت بھی میں اسی کیفیت میں تھا، اتنے میں کسی کہنے والے نے یہ آواز لگائی! لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں، دوسرے نے ہانک لگائی کہ ابوبکر کی بیعت کرلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھا کہ

ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بیشک یہ (علی) اور ان کے شیعہ کامیاب ہیں. اور آیت نازل ہوئی: (ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ہم خیر البریۃ)، جب کبھی علی آتے تو اصحاب رسولؐ بے ساختہ کہہ اٹھے خیر البریہ آگئے اور ابن عدی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ سے کہا: ''ہو انت و شیعتک یوم القیامۃ راضین مرضین'' وہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو روز محشر خدا سے اور خدا ان سے راضی ہے، ابن مردویہ نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ رسولؐ نے کہا: ''انت و شیعتک موعدی و موعدکم الحوض اذا جائت الامم للحساب تدعون غراً محجّلین'' تم او رتمہارے شیعوں اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جب امتیں حساب کتاب کے لئے آئیں گے تو تم کو نوارنی پیشانی والے ''غر المحجّلین'' کہہ کے پکارا جائے گا.

ابوبکر دکھائی دیئے اور عمر بن الخطاب ابوعبیدۂ جراح اور سقیفائی گروہ ان کے ساتھ تھا وہ سب ایک کمر بند کا تنگ گھیرا بنائے تھے اور جو کوئی بھی ادہر سے گذرتا تھا اس کو زبردستی پکڑ کر لاتے تھے اور ابوبکر کے سامنے پیش کرتے تھے اور اس کے ہاتھ کو بڑھا کر ابوبکر کی بیعت لے لیتے تھے وہ چاہے راضی ہو یا نہ ہو۔ میں مبہوت رہ گیا دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا، اور بے تکان بھاگتا ہوا محلۂ بنی ہاشم آیا تو دروازہ بند پایا میں نے دروازے کو بہت زور سے کھٹکھٹایا اور چیخا کہ لوگوں نے ابوبکر ابن ابی قحافہ کی بیعت کرلی ہے تو ابن عباس نے اندر سے آواز دی روز قیامت تک تمہارے ہاتھ بندھے رہیں، میں نے تم لوگوں کوایک بات کا حکم دیا تھا مگر میرے حکم کی نافرمانی کی! میں اس وقت عجیب کیفیت میں مبتلا ہوگیا اور رات میں مقداد، سلمان، ابوذر، عبادہ بن صامت، ابا الہیثم بن تیہان، حذیفہ بن الیمان کو دیکھا کہ وہ لوگ اس امر (خلافت) کو مہاجرین کی شوریٰ کے درمیان پیش کر کے اس کا حل تلاش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں[1]۔ سقیفہ کے حادثہ اور ابوبکر کی اچانک بیعت سے علی کے طرفداروں کا موقف بیش از پیش واضح ہونے لگا۔

یہ تو بہت چھوٹی سی بات تھی جس کو براء نے بیان کیا، اس کے بعد دوسرے بہت سارے مراحل ایک ناآگاہ اور اچانک بیعت کے سبب وجود میں آئے اسی حوالے سے سلمان نے کہا کہ: تم لوگوں نے ایک بوڑھے کا انتخاب کرلیااور اپنے نبی کے اہل بیت کو چھوڑ دیا اگر تم اہلبیت رسولؐ کو اپنا رہنما بناتے تو تم لوگوں میں کسی دو کے درمیان بھی کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوتا اور ان کی ہمراہی میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے۔ جب لوگوں کی اکثریت نے ابوبکر کی بیعت کی اور ابوبکر و عمر دونوں نے اس مسئلہ پر بڑا زور دیا اور شدت بھی برتی، تو اس وقت ام مسطح بن اثاثہ باہر نکلیں اور قبر رسولؐ پر کھڑے ہوکر یہ اشعار پڑھے:آپ کے بعد ایسے حادثات پیش آئے کہ اگر اپ زندہ ہوتے تو وہ وجود میں نہ آتے، ہم نے آپ کو اس طرح کھودیا جس طرح زمین میں بڑے بڑے قطروں والی بارش سما جاتی ہے، آپ کی قوم میں تفرقہ پڑگیاہے لہٰذا ان کی طرف نظر عنایت کیجئے[2]۔ گذشتہ بیان میں حادثات سقیفہ میں براء ابن عازب کا بیان گذر چکا ہے کہ انھوں نے اصحاب سے ملاقات کی اور بات یہاں ان کے قول پر ختم ہوئی تھی کہ: میں دل شکستہ ہوا، جب

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۱۹
[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۲، ص۵۰۔ ۴۹

رات ہوئی تو میں نکل پڑا جب مسجد میں داخل ہوا تو مجھ کو اس وقت مسجد سے رسولؐ کے تلاوت قرآن کی آواز کا گمان ہوا، میں اپنی جگہ ٹھٹک گیا، باہر بنی بیانہ کے کشادہ مکان میں آیا تو وہاں میں نے کچھ لوگوں کو سرگوشی کرتے پایا، جب میں ان کے پاس گیا تو وہ سب خاموش ہوگئے میں پلٹ پڑا۔ان لوگوں نے مجھے پہچان لیا میں نے کسی کو نہیں پہچانا، انھوں نے مجھے آواز دی، میں ان کے پاس گیا، تو کیا دیکھا کہ مقداد بن الاسود، عبادہ بن صامت، وہاں موجود ہیں اور حذیفہ ان سب سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں کہ وہ اس امر (خلافت) کو حاضرین کی شوریٰ (کمیٹی) کے سامنے پیش کریں گے۔اس کے بعد کہا: ابیّ بن کعب کے پاس چلتے ہیں وہ امت کے ارادوں سے قطعی واقف ہے، براء کہتے ہیں کہ ہم سب ابیّ بن کعب کے پاس گئے اور دق الباب کیا وہ دروازے کے پیچھے آیا اور پوچھا کون؟مقداد نے کہا: ہم۔اس نے کہا: کیا بات ہے؟مقداد نے کہا: دروازہ کھولو کچھ اہم بات پر گفتگو کرنی ہے جس کے لئے محفوظ جگہ ضروری ہے۔

اس نے کہا: ہم دروازہ نہیں کھولیں گے میں سمجھ گیا تم لوگ کس لئے آئے ہو؟ تم لوگ اس معاملہ (بیعت) پر نظر ثانی کرنا چاہتے ہو؟ ہم سب نے ایک زبان ہوکر کہا: ہاں۔اس نے پوچھا: کہ کیا حذیفہ تم لوگوں کے ساتھ ہیں؟ہم سب نے کہا: ہاں۔اس نے کہا حذیفہ کی بات آخری ہوگی، خدا کی قسم میں دروازہ کھول رہا ہوں تاکہ حالات معمول پر رہیں اس کے بعد جو حالات پیش آئیں گے وہ ان سے بدتر ہوں گے اور ہم خدا سے اس کا گلہ کرتے ہیں۔ابیّ ابن کعب اس راز کو اپنے سینہ میں لئے پھرتا رہا برسوں بعد اس کو فاش کرنا چاہا، اے کاش! اس کو موت ایک دن کی مہلت دیدیتی[1]۔علی بن صخرہ سے روایت ہے کہ: میں نے ابی ابن کعب سے کہا کہ اصحاب رسولؐ آپ کا کیا حال ہے؟ ہم دور سے آئے ہیں آپ سے خیر کی امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ نرمی برتیں گے۔ انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر اس جمعہ تک زندہ رہا تو تم لوگوں کو ایک راز بتاؤں گا جس کے برملا کہنے پر تم لوگ چاہے زندہ رکھو یا مجھے قتل کردو۔روز جمعہ میں گھر سے نکلا تو کیا دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کا سیلاب امڈ آیا ہے میں نے پوچھا کہ، کیا ہوا؟تو لوگوں

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ج۲، ص۵۲۔ ۵۱

نے بتایا کہ سید المسلمین ابیؔ ابن کعب کا انتقال ہوگیا[1]۔ ابن سعد راوی ہیں کہ خدا قسم میں اخفاء راز میں اس دن جیسا دن نہیں دیکھا جیسا اس شخص نے راز کو چھپایا تھا[2]۔ حاکم کی روایت ہے کہ ابیؔ بن کعب نے کہا کہ اگر میں اس جمعہ تک زندہ رہا تو وہ بات بتاؤں گا جو رسول اکرمؐ سے سنا ہے اور اس کو بتانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کروں گا[3]۔ مشہور مورخ یعقوبی کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار میں بہت سارے افراد نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور علی کی طرف مائل ہوئے من جملہ عباس بن عبد المطلب، فضل بن عباس، زبیر بن العوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، براء بن عازب، ابیؔ بن کعب[4]۔ شاید اسی کے سبب بعض محققین اور مستشرقین کا خیال خام ہے کہ سقیفہ کے حادثہ کے بعد تشیع وجود میں آئی ہے، مغربی مورخ گولڈ شیارڈ کہتا ہے کہ خلافت کی مشکل کے وقت بزرگ اصحاب کے درمیان اس فرقہ (شیعیت) نے وجود پایا، اور اس گروہ نے خلفاء ثلاثہ ابوبکر، عمر، عثمان، کے انتخاب کی ملامت کی، جو کہ خاندان رسالت سے کسی قسم کی کوئی قربت نہیں رکھتے تھے اور اسی سبب اس گروہ نے حضرت علیؑ کو اس خلافت کے لائق جانتے ہوئے ان کو صاحب فضیلت جانا اور علی کو رسولؐ کے قریب ترین لوگوں میں شمار کیا اور جو چیز اس میں مزید فضیلت کا سبب بنی وہ دختر رسولؐ حضرت فاطمہ کا شوہر ہونا تھا اور اس گروہ کو سنہری موقع نہ مل سکا جس میں اپنی بات ببانگ دہل کہہ سکیں[5]۔

خالد بن سعید بن العاص کو رسول اکرمؐ نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا جب رسول کی وفات ہوگئی اور لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو اس وقت واپس آیا جب اس سے بیعت طلب کی گئی تو اس نے انکار کردیا۔ عمر نے کہا: چھوڑ دو میں اس کو دیکھ لیتا ہوں۔ ابوبکر نے ان کو روکا، اسی طرح ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ ابوبکر جارہے تھے وہ اپنے دروازے پر بیٹھا تھا، خالد نے ابوبکر کو آواز دی، ابوبکر آپ کو بیعت چاہیئے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: آؤ، وہ آئے اور خالد نے ابوبکر کی بیعت اپنے دروازے پر

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج۱، ص۳۹۹
[2] طبقات الکبریٰ، ج۳، ص۵۰۱
[3] المستدرک، ج۳، ص۳۰۵
[4] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۲۴
[5] العقیدۃ و الشریعۃ فی الاسلام، ص۱۸۶، فجر الاسلام، احمد امین، ص۲۶۶

بیٹھے بیٹھے کرلی[1]۔ حضرت علیؑ کے طرفداروں کی یہ رسہ کشی ان دنوں تک چلی، جس دن تک عثمان کی زمامداری کا اعلان نہیں ہوگیا، جب تک عثمان کی تولیت کا اعلان ہوتا ان دنوں تک اصحاب علی کا موقف سب پر واضح ہوگیا تھا تیسرے دن جس دن تک عمر نے لوگوں کو مشورہ کی اجازت دی تھی وہ آخری دن تھا۔ عبد الرحمن بن عوف نے کہا: اے لوگو!مجھے ان دو لوگوں یعنی عثمان و علی کے بارے میں مشورہ دو۔ عمار بن یاسر نے کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کا اختلاف نہ ہو تو علیؑ کی بیعت کرو۔ مقداد نے کہا: سلمان سچ کہتے ہیں اگر تم نے علیؑ کی بیعت کی تو ہم بسر و چشم اس امر میں تمہاری اتباع کریں گے۔ عبد اللہ بن ابی سرح[2] نے کہا: اگر تم چاہتے ہو کہ قریش اختلاف رائے نہ کریں تو عثمان کی بیعت کرو۔

عبد اللہ بن ربیعہ مخزومی نے کہا: اس نے سچ کہا اگر تم نے عثمان کی بیعت کی تو یہ تمہارے ساتھ ہیں۔ عمار بن یاسر نے ابن ابی سرح کو بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ تو کب سے اسلام کا خیر خواہ ہوگیا ؟بنی ہاشم اور بنی امیہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں تو عمار کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! خدا نے تم کو اپنے نبی کے ذریعہ سرفراز کیا اپنے دین کے سبب تم کو صاحب عزت بنایا آخر کب تک تم مسئلہ خلافت میں اہل بیت سے روگردانی کرتے رہو گے۔

سعد نے کہا: اے عبد الرحمن! اپنے کام کر گذرو، اس سے پہلے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہوجائے، اس وقت عبد الرحمن نے حضرت علیؑ کے سامنے شیخین (ابوبکر و عمر) کی پیروی کی تجویز رکھی تو آپؑ نے فرمایا: کہ میں اپنے ذاتی فیصلہ پر عمل کروں گا (ان دونوں کی اتباع نہیں کروں گا) جب عثمان کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو انھوں نے قبول کرلی اوران کی بیعت کرلی گئی۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۶، ص۴۱

[2] ابن عبد البر عبد اللہ ابن ابی سرح کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا تھا اور ہجرت کر گیا تھا اور رسول کے پاس وحی کی کتابت کرتا تھا پھر مرتد ہوگیا اور مشرک ہوگیا اور قریش مکہ کے پاس رہنے لگا اور کہتا پھر تا تھا کہ میں جیسے چاہتا تھا ویسے محمد کو گھما دیتا تھا. علی (عزیز حکیم) لکھتے تھے تو میں نے کہا یا (علیم حکیم) تو انھوں نے کہا کہ دونوں صحیح ہے. فتح مکہ کے وقت رسولؐ نے اس کے قتل کا فرمان جاری کیااور فرمایا تھا کہ اگر کعبہ کے پردے کے پیچھے بھی چھپے تو بھی قتل کردو، کیونکہ اس نے عبد اللہ بن خطل، مقیس بن حبابہ کو قتل کیا تھا یہ وہاں سے بھاگا اور عثمان کے پاس جاکر پناہ لی. یہ عثمان کا رضاعی بھائی تھا عثمان کو اس کی ماں نے دودھ پلایا تھا، عثمان نے اس کو چھپا دیا او رجب مکہ کی فضا پر امن ہوگئی تو عثمان رسولؐ کے پاس لیکر آئے اور اس کی امان چاہی. رسولؐ بہت دیر تک خاموش رہے اس کے بعد کہا: ''بہتر ہے'' جب عثمان چلے گئے تو رسولؐ نے موجودہ لوگوں سے کہا کہ میں صرف اس لئے خاموش ہوگیا تھا کہ اتنے میں ایک شخص اس کی گردن اڑادے انصار میں سے ایک نے کہا: آپ نے اشارہ نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ رسالت کے شایان شان نہیں. استیعاب، ج۳، ص۵۰، رقم ۱۵۷۱ بنی مخزوم سے ایک شخص نے کہا کہ اے فرزند سمیہ! تم اپنی حد سے باہر نکل گئے ہو تم کون ہوتے ہو جو قریش کو اپنے میں سے اپنا حاکم معین کرنے سے روکو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ پہلا دن نہیں ہے جب تم لوگ ہمارے خلاف اکٹھے ہوئے ہو لہٰذا میرا راستہ صبر جمیل کا ہے اور اللہ تمہارے بیان کے مقابلہ میں میرا مددگار ہے بخدا تم نے خلافت ان کے حوالے اسی لئے کی تھی تاکہ وہ اس کو تمہارے حوالہ کردیں، اور خدا ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا: اے علیؑ!ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریئے گا وہ اس بات کا ارادہ کئے تھا کہ عمر ابوطلحہ کو حکم دے تاکہ اپنے مخالف کی گردن اڑادیں، اتنے میں حضرت علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہتے ہوئے نکل آئے کہ عنقریب مقررہ مدت پوری ہو جائے گی۔ عمار نے کہا: اے عبد الرحمن! خدا کی قسم تم نے اس ذات کا ساتھ چھوڑا ہے جو حق کے ساتھ بہترین فیصلہ کرنے والا تھا اور معاملات میں حق و انصاف سے کام لیتا تھا۔ مقداد نے کہا: خدا کی قسم اہل بیت رسولؐ میں رسول کے بعد اس شخص کے مثل کسی کو نہیں پایا۔

قریش پر تعجب کا مقام ہے!کہ انھوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا جس سے بہتر کسی کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والا، اعلم اور متقی میں نہیں جانتا، خدا کی قسم اے کاش میرا کوئی مددگار ہوتا[1]۔ عبد الرحمن نے کہا: اے مقداد! تقویٰ الٰہی اختیار کرو مجھے خوف ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ نہ برپا ہوجائے۔ جب عثمان کی تولیت کا مسئلہ ختم ہوگیا تو دوسرے دن مقداد نکلے اور عبد الرحمن بن عوف سے ملاقات ہوگئی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اگر تو نے رضایت پروردگار کی خاطر یہ کام انجام دیا ہے تو خدا تجھ کو اجر دے اور اگر حصول دنیا کی خاطر یہ ڈھونگ رچایا ہے تو خدا تیرے مال دنیا میں بہتات کرے۔ عبد الرحمن نے کہا: سنو! خدا تم پر رحمت نازل کرے، سنو! مقداد نے کہا: میں بالکل نہیں سنوں گا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا، اور وہاں سے حضرت علیؑ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ قیام کریئے ہم آپ کے شانہ بشانہ رہیں گے۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا: ''کس کے ساتھ مل کر جنگ کریں؟'' عمار یاسر آئے اور آواز دی کہ: اے لوگو! اسلام کا فاتحہ پڑھو، کیونکہ نیکیاں ختم ہوگئیں اور منکرات جنم لے چکے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میرے مددگار ہوئے تو ان سب سے جنگ کرتا، خدا کی قسم اگر کوئی ایک بھی ان سے جنگ کرنے کو تیار ہو تو میں

[1] شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص۱۹۴۔ ۱۹۳

اس کی دوسری فرد ہوں گا۔اس وقت حضرت امیرؑ نے فرمایا: اے ابو الیقظان! خدا کی قسم ان لوگوں کے خلافت میں اپنا مددگار نہیں پا رہا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں پر اس چیز کو تحمیل کروں جس کی تم لوگ طاقت نہیں رکھتے[1]۔یہاں سے علیؑ کے چاہنے والوں کی اکثریت میں اضافہ ہونے لگا بلکہ بسا اوقات تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حق کو آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ان سب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔اگر حضرت امیرؑ ان افراد کی باتوں کو مان لیتے تو حکومت ہاتھ آجاتی، لیکن حضرت کی دور رس نگاہیں ان خطرات پر تھیں جو ان کے بعد سر اٹھاتے اور خط خلافت کے راہرؤں کے دلوں سے خوب واقف تھے وہ لوگ ذکر مولائے کائنات کے سبب اکثریت کا اندازہ لگا رہے تھے اور اس بات کی وضاحت جندب بن عبد اللہ ازدی کی اس روایت سے ہو جائے گی۔

جندب کہتے ہیں: کہ میں مسجد رسولؐ میں داخل ہوا تو کیا دیکھا ایک شخص زانو کے بل بیٹھا ہے اور ایسے فریاد کر رہا ہے جیسے اس کی دنیا لٹ گئی ہو اور کہتا جاتا ہے کہ تعجب ہے قریش پر کہ انھوں نے اہلبیت رسولؐ سے خلافت رسولؐ کو دور کردیا جبکہ اہلبیت رسولؐ میں وہ شخص موجود ہے جواول المومنین، رسولؐ کا چچازاد بھائی، سب سے بڑا عالم، دین الٰہی کا فقیہ اعظم، اسلام کا ان داتا،راہوں کا واقف، صراط مستقیم کا ہادی ہے، قریش نے خلافت کو ہادی، رہبر، طاہر، نقی سے دور کرلیا ان لوگوں نے امت کی اصلاح کی فکر نہیں کی اور نہ ہی مذہب کا بھلا چاہا، بلکہ ان لوگوں نے دنیا کو مقدم کر کے آخرت کو پس پشت ڈال دیا، خدا قوم ظالمین کو اپنی نعمتوں سے دور رکھے۔میں تھوڑا اس کے قریب گیا اور کہا کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے تم کون ہو؟ اور یہ شخص کون ہے؟ اس شخص نے کہا: میں مقداد بن عمرو اور یہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔جندب کہتے ہیں، میں نے کہا: تم اس اس امر کے لئے قیام کرو تاکہ میں تمہاری مدد کرسکوں؟ اس شخص نے کہا :اے میرے بھتیجے یہ ایک یا دو آدمیوں کا کام نہیں ہے، میں نکل کر باہر آیا اورابوذر سے ملاقات ہوئی میں نے سارا ماجرا بیان کیا، توانھوں نے کہا: بھائی مقداد نے سچ کہا ہے۔پھر میں عبد اللہ بن مسعود کے پاس آیا اور سارا

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۹، ص۵۵

ماجرا بیان کیا تو انھوں نے کہاکہ مقداد ہم کو بتا چکے ہیں اور ہم نے اس کوشش میں کوتاہی نہیں کی[1]۔ابن ابی الحدید نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ اس روایت کو بیان کیا ہے[2]۔

خلافت عثمان میں اس کے بعد بہت سارے واقعات رونما ہوئے جو لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنے اور نئی حقیقتوں کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور عثمانی سیاست کے خلاف یہ اختلاف شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا اور لوگوں کو اس بات کا احساس ہوگیا جو خطا انھوں نے حضرت علیؑ کے حق میں کی تھی ۔اور اس راہ میں لوگوں نے اس بات کو درک کیا کہ علی اور اہلبیت سے روگردانی کے بہت گہرے نتیجے نکلے۔ علیؑ کے ابتدائی شیعہ، عمار، ابن مسعود، ابوذر غفاری، راہ راست کے قیام اور حق کو اصلی مرکز تک پلٹانے میں پیش پیش تھے اور ان کی دعوت پر ایک کثیر تعداد گوش برآواز ہوگئی اور بہت تیزی کے ساتھ کلامی رد و بدل اسلحہ کی صورت میں خلیفۂ ثالث کے خلاف تبدیل ہوگئی۔ حذیفۂ یمانی جو کہ علیؑ کے پہلے درجہ کے شیعہ تھے وہ بستر موت پر تھے، جب ان سے خلافت کے حوالے سے سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ عمار کی پیروی کرنا ۔

لوگوں نے کہا : وہ علیؑ سے جدا نہیں ہوئے۔ حذیفہ نے کہا : حسد جسم کو ہلاک کر دیتا ہے! علیؑ سے قربت کے سبب تم لوگوں کو عمار سے نفرت ہے، خدا کی قسم عمار سے علیؑ افضل ہیں مٹی اور بادل میں کتنا فرق ہے عمار اجاب میں سے ہیں۔ حذیفہ جانتے تھے کہ اگر وہ لوگ عمار کے ساتھ رہیں گے تو وہ علیؑ کے ساتھ تو ہیں ہی[3]۔ جب حذیفہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت (ذی قار نامی مقام پر) پہنچ گئے ہیں اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو طلب کیا اور ان کو ذکر خدا، زہد دنیا اور آخرت کی طرف رغبت کی دعوت دی اور کہا کہ امیر المومنین جو کہ سید المرسلین کے وصی ہیں ان سے ملحق ہو جاؤ اور حق یہی ہے کہ ان کی مدد

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۵۷

[2] شرح نہج البلاغہ، ج)، ص۵۸۔ ۵۷

[3] مجمع الزوائد، ج۷، ص۲۴۳، پر کہا ہے کہ اس کو طبرانی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے روائی ثقہ ہیں.

کرو[1]۔ حذیفہ فتنہ کے خطرہ سے خائف تھے اور لوگوں کو حضرت کی ولایت کی دعوت دے رہے تھے جن دنوں شیعیان علی کو دعوت دی جا رہی تھی اور یہ بات کہی کہ جو گروہ علی کی ولایت کی دعوت دے اس گروہ سے متمسک ہو جاؤ کیونکہ وہ حق اور راہ ہدایت پر ہیں[2]۔ ابوذر مسجد میں بیٹھ کر کہا کرتے تھے کہ، محمدؐ علم آدم اور انبیاء کے جملہ فضائل کے وارث ہیں اور علی ابن ابی طالب وصی محمد اور وارث علم محمد ہیں، اے نبی کے بعد سرگرداں امت! اگر تم لوگوں نے اس کو مقدم کیا ہوتا جس کو خدا نے مقدم کیا اور اس کو مؤخر کیا ہوتا جس کو خدا نے مؤخر کیا اور اہل بیت رسولؐ کی ولایت و وراثت کا اقرار کیا ہوتا تو ہر طرف و ہر طرح سے خوشحال رہتے، ولی خدا اپنے حق سے محروم نہ رہتا، نیز و اجبات الٰہی پر عمل ہوتا اور کوئی دو فرد بھی نہ ملتی جو حکم الٰہی میں اختلاف نظر رکھتے اور اہلبیت کے پاس تم کو قرآن و سنت کا علم مل جاتا، مگر جو تم لوگوں نے کیا سو کیا، اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتو، عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس صورت میں پلٹائے جائیں گے[3]۔

عدی بن حاتم کہتے تھے کہ، خدا کی قسم اگر علم کتاب (قرآن) اور سنت نبوی کی بات ہے تو وہ یعنی علیؑ تم لوگوں میں ان دونوں کے بہترین عالم ہیں، اگر اسلام کی بات ہے تو یہ رسول کے بھائی اور مرکز اسلام ہیں اگر زہد و عبادت محور ہے تو لوگوں میں ان کا زہد نمایاں اور عبادت آشکار ہے، اگر عقل اور مزاج معیار ہے تو لوگوں میں عقل کل اور مزاج کے اعتبار سے کریم النفس انسان ہیں[4]۔

بیعت کے بعد

وہ اصحاب جو حضرت علیؑ کے خط تشیع پر گامزن تھے وہ پیغام جاری و ساری اور بڑھتا جارہا تھا اور روز بروز اس کے دائرۂ اطاعت میں وسعت آتی جارہی تھی اس میں اصحاب و تابعین شامل ہو رہے تھے، لہٰذا ہم حضرت علیؑ کے روز بیعت، مالک اشتر کو یہ کہتے ہوئے نہیں بھول سکتے کہ، اے لوگو! یہ وصی اوصیاء، وارث علم انبیاءؑ، عظیم تجربہ کار، بہترین دین داتا، جس کے ایمان کی گواہی کتاب

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۲، ص۱۸۸۔ ۱۸۷
[2] مجمع الزوائد، ج۷، ص۲۳۶، پر کہا ہے کہ اس کو بزار نے روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، فتح الباری، ج۳، ص۴۵
[3] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۶۸۔ ۶۷
[4] جمہرة الخطب، ج۱، ص۳۷۹۔ ۲۶۷

نے دی اور رسول ؐنے جنت کی بشارت دی، جس پر فضائل ختم ہیں، متقدمین و مؤخرین نے ان کے علم ، فضل اور اسلام میں سبقت پر شک نہیں کیا ۔مالک اشتر نے اہل کوفہ کی نیابت میں حضرت علیؑ کی بیعت کی، طلحہ و زبیر نے مہاجرین و انصار کی نیابت میں بیعت کی، ابو الھیثم بن تیہان، عقبہ بن عمرو اور ابو ایوب نے مل کر کہا : ہم آپ کی بیعت اس حال میں کر رہے ہیں کہ انصار و قریش کی بیعت ہماری گردنوں پر ہے (ہم ان کی نمایندگی کر رہے ہیں) ۔انصار کا ایک گروہ اٹھا اور گویا ہوا، ان میں سب سے پہلے ثابت بن قیس بن شماس انصاری جو کہ رسول کے خطیب تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ: خدا کی قسم اے امیر المومنین! اگرچہ انھوں نے آپ پر خلافت میں سبقت حاصل کرلی، لیکن دین الٰہی میں پہل نہ کر سکے کو کہ انھوں نے کل آپ پر سبقت حاصل کرلی، لیکن آج آپ کو ظاہری حق مل گیا، وہ لوگ تھے اور آپ تھے لیکن کسی پر بھی آپ کا مقام پنہاں نہیں تھا، وہ جس کا علم نہیں رکھتے تھے اس میں آپ کے محتاج تھے، اور آپ اپنے بے کراں علم کے سبب کبھی کسی کے محتاج نہیں رہے۔

اس کے بعد خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین (جن کی ایک گواہی دو کے برابر رسول خداؐ نے قرار دی تھی) کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا امیر المومنین ہم نے خلافت کو آپ کے علاوہ کسی کے حوالے سے قبول نہیں کیا، آپ کے سوا کسی کے پاس نہیں گئے، اگر ہم سچے ہیں تو آپ ہماری نیتوں سے بخوبی واقف ہیں، آپ لوگوں میں ایمان پر سبقت رکھتے ہیں، احکام الٰہی کے سب سے بڑے عالم ہیں، رسول خدا کے بعد مومنین کے مولا ہیں، جو آپ ہیں وہ ، وہ کہاں! اور جو وہ ہیں، وہ آپ جیسے کہاں! صعصعۃ بن صوحان کھڑے ہوئے اور عرض کی: خدا کی قسم اے امیر المومنین! آپ نے خلافت کو زینت بخشی ہے خلافت نے آپ کی زینت میں کوئی اضافہ نہیں کیا، آپ نے خلافت کو بلندی عطا کی اس نے آپ کو رفعت نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ خلافت آپ کی محتاج ہے[1]۔پُر پیچ راہ! عثمان کے روح فرسا دوران خلافت کے اختتام کے بعد شیعیان علیؑ کے عروج کا زمانہ تھا، لوگوں کی ہجومی اور ازدحامی بیعت نے حضرت علیؑ کو سریر آراء سلطنت کیا اور زمام حکومت آپ کے سپرد کی، جس کی منظر کشی خود امیر المومنین نے

[1] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۷۵

یوں کی ہے ''لوگوں کا ازدحام مجھ پر ایسے ٹوٹ پڑا جیسے پیاسے اونٹ کا غول گھاٹ پر ٹوٹ پڑتا ہے گویا ان کے چرواہے نے ان کو آزاد اور بے مہار چھوڑ دیا ہو لگتا تھا کہ یہ بھیڑ مجھے یا میرے کسی فرزند کو ختم کرڈالے گی[1]۔ مگر اس محبت کا دکھاوا اس وقت بالکل بدل گیا جب بعض اصحاب نے حضرت علیؑ سے گفتگو کی اور علیؑ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہم قانون حکومت کو فرمان رسولؐ کے مثل بنانا چاہتے ہیں یعنی سب لوگ عطا و بخشش میں مساوی ہیں اور کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتے، اور یہ وہی کیفیت تھی جس کی بنیاد عمر نے رکھی تھی اور یکسر بدل ڈالا تھا اور عثمان نے آکر من و عن اس کی پیروی کی تھی خاص طور سے عثمان کے وہ اہلکار جو بداخلاقی کے شکار تھے ان کی معزولی (ایک اہم مسئلہ تھا) لہٰذا تنور جنگ بھڑک اٹھا اور حضرت کی خلافت کے آخری لمحات تک جو تقریباً پانچ برسوں پر مشتمل تھا شعلہ ور رہا۔

اور یہ پیس دینے والی جنگوں کی خلیج، جمل و صفین کے دنوں تک باقی رہی اور ان جنگوں نے اکثریت کواپنی لپیٹ میں لے لیا حضرت کے مخلص اور صحیح عقیدے کے شیعہ صرف انگشت شمار ہی رہ گئے، صرف تھوڑے سے افراد کے سوا سب حالات کے تیز دھارے میں بہہ گئے، اور حالات بہت ہی غیر مساعد ہوگئے اور جو بچ گئے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی جو اتباع و پیروی و اخلاص میں کھرے اتریں، جنگ نے ان سب کو بدبیں کردیا تھا، جس کے سبب جنگ بندی کی پہلی دھوکہ باز آواز پر ان لوگوں نے لبیک کہا (اور جنگ بند کردی) جب امیر المومنینؑ نے اس سازش کا پردہ چاک کر کے ان کو ان کے ارادوں سے باز رکھنا چاہا، تو ان لوگوں نے مخالفت کی اس حد پر قدم رکھ دیا تھا کہ حضرت علیؑ کے قتل، یا دشمن کے سپرد کرنے کی دھمکی تک دے دی تھی، ان کی نیتوں کے پیش نظر عقب نشینی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کیا یہ لوگوں کے روگردانی کی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ انھوں نے واقعہ تحکیم کے سلسلہ میں بہت جلد ندامت و خطا کا اظہار کیا تھا اور اکثریت کی بقاء پر اس امر کا علاج سوچا اور اپنے نفسوں سے کیئے وعدہ کی وفا چاہی یعنی جنگ میں واپسی، ان افراد کی گرگٹ کے مانند آراء کی تبدیلی، اس بات کی غماز ہے کہ یہ لوگ صاحبان بصیرت نہیں تھے

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۶

اور نہ ہی حضرت علی کے شیعہ تھے بلکہ انھوں نے علی کی شیعیت کا خول چڑھا رکھا تھا اور ان کے عقیدوں میں کسی قسم کی پختگی نہیں تھی اور ان کی یہ حرکتیں اجتہادی اصحاب کی راہ و روش کی مکمل پیروی تھی، جو اولی الامر حضرات کے حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے تھے اور اس اجتہادی اسلحہ کی ضرب اتنی کاری تھی کہ ذات رسالت کے حکم کا انکار ممکن بنا ڈالا۔ اس باغی گروہ کی سرکشی، مزید پیچیدہ ہوگئی جب خود امیر المومنینؑ کو اسی دو راہے پر لاکر کھڑا کر دیا کہ آپ ان مخالفین سے جنگوں کا سلسلہ شروع کریں جنھوں نے کچھ علاقوں میں فساد مچا رکھا تھا اور بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ اور نتیجہ اس وقت زیادہ ہی جان لیوا ہوگیا کیونکہ اس جنگ نے آپ کے چاہنے والوں کی قوت کو مضمحل کردیا اور روز بروز وہ سستی و تساہلی کے شکار ہونے لگے اور جہاد کی جانب امیر المومنین کا رغبت دلانا بے سود ہوگیا، جو لوگ آپ کے خاص شیعہ بچ رہے تھے ان کے ارادوں کے تجدید کی ضرورت تھی، اوراس وقت تو قیامت کبریٰ ٹوٹ پڑی جب ایک جہنمی نے آپؑ کو عبادت کی حالت میں محراب میں شہید کردیا۔تاکہ خالص شیعہ کے تربیتی مرکز کو ختم کرسکیں، اس سبب آپ کے بڑے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؑ کے پاس ان کے دور حکومت میں قیام کے اس عظیم بوجھ کو اٹھانے کے لئے کوئی سہارا نہیں تھا۔

صحیح اور راسخ عقیدوں کے مالک افراد کا بالکل فقدان تھا نیز بچے ہوئے افراد کی اکثریت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا، لہٰذا حسن مجتبیٰؑ نے جب یہ درک کرلیا کہ اس کیفیت میں اور ان لوگوں کی ہمراہی میں جنگ کو طول دینا معقول نہیں تو ان کے پاس معاویہ ابن ابی سفیان سے صلح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ معاویہ کے زمام حکومت سنبھالنے کے سبب تشیع بہت ہی اختناقی دور میں داخل ہوگئی، اب معاویہ نے شیعوں کو ظلم کی آخری حدوں سے کچلنے اور انتقام کی صورت شروع کردی، اور شیعوں کے بہت تھوڑے سے افراد کے سوا کوئی نہیں بچا، معاویہ نے حجر بن عدی جیسے اور ان کے ساتھیوں کو تراش ڈالا اور قتل کر ڈالا، اپنے بیس سالہ دور حکومت میں بقیہ افراد پر عرصۂ حیات تنگ کردیا، اور اذیت کی تمام صورتوں کو ان پر روا جانا۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے مدائنی کی ''الاحداث'' نامی کتاب سے یوں نقل کیا ہے کہ: معاویہ نے ۴۱ھ میں اپنے اہلکاروں اور گماشتوں کو یہ لکھ بھیجا کہ ابوتراب

اوران کے گھرانے کے جو فضائل ہیں میں ان سے بَری و منکر ہوں، یہ پیغام پاتے ہی ہر شہر و گوشہ و کنار میں ہر منبر پر زبان دراز خطیب چڑھ دوڑے اور علی اوران کی آل پاک پر لعن و طعن شروع کردیا، اس دوران سب سے زیادہ روح فرسا حالات سے اہل کوفہ گذر رہے تھے۔ کیونکہ یہ آپ کے شیعوں کا مرکز تھا، ان پر زیاد بن سمیہ کو مامور کردیا اور بصرہ کی حکومت کو اس سے ضم کردیا، اس نے شیعوں کی چھان بین شروع کردی یہ علیؑ کے شیعوں سے بخوبی واقف تھا کیونکہ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ رہ چکا تھا لہٰذا جس کو جہاں کہیں دشت و جبل میں پایا موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو ڈرایا دھمکایا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے، آنکھیں پھوڑ دیں، کھجوروں پر سولی دی، عراق سے نکال باہر کیا، اس وقت کوئی بھی سرشناس افراد میں سے نہیں بچا۔

معاویہ نے اپنی حدود مملکت کے چار گوشوں میں یہ لکھ بھیجا کہ مبادا آل علی اور محبان علی کی گواہی کو قبول کیا جائے، عثمان کے چاہنے والوں اور ان کے فدائیوں کو سرآنکھوں پر بٹھاؤ، اور جو لوگ عثمان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنے والے ہیں ان کو اپنی مجلسوں کی زینت بناؤ ان کو اہمیت دو، انعام و اکرام سے نوازو، اور ان افراد کی فہرست باپ اور قبیلوں کے نام کے ساتھ ہم تک ارسال کرو۔ یہ دھندا شروع ہوا اور دن ورات عثمان کے فضائل کی تخلیق شروع ہوگئی۔

کیونکہ معاویہ نے اپنے اہلکاروں کو آب و دانہ خیمہ و چادر، خراج (کی معافی) اور عرب میں اس کو اور اس کے خاندان والوں کو فوقیت کی لالچ دی تھی، لہٰذا ہر نگری میں یہ بدعت شروع ہوگئی گھر اور گھر کے باہر اس بدعتی آندھی کی مبالغہ آرائی شروع ہوگئی، اب کیا تھا معاویہ کے اہلکاروں میں، جس کسی کا نام عثمان کے قصیدہ خوانوں کی فہرست میں آجاتا اس کی کایا پلٹ جاتی، اس کا نام مصاحبوں میں شامل، تقرب و شفاعت میں داخل، اور وہ سب اس میں داخل ہوگئے۔

اس کے بعد معاویہ نے دوسرا پلندہ تیار کیا اور اہلکاروں کو روانہ کیا کہ! عثمان کے فضائل قرب و جوار شہر و دیہات میں اٹے پڑے ہیں ''بس'' جیسے ہی میرا خط تم لوگوں کو ملے اصحاب اور گذشتہ دونوں خلیفہ (ابوبکر و عمر) کے فضائل کے لئے لوگوں کو تیار کردو،

اور کسی بھی شخص کو ابوتراب کی فضیلت میں حدیث نہ بیان کرنے دو، بلکہ اس حدیث کو اصحاب کی شان میں مڑھ دو، کیونکہ یہ فعل میرے نزدیک محبوب، میری آنکھوں کی ٹھنڈک نیز ابوتراب اور ان کے شیعوں کو کچل دینے کا سامان ہے، معاویہ نے عثمان کی فضیلت و منقبت کے لئے ان لوگوں پر بہت زور دیا تھا۔اس کا یہ پلندا لوگوں کے سامنے پڑھا گیا جس کے سبب اصحاب کی فضیلت میں فوراً سے پیشتر بہت ساری حدیثیں تخلیق کردی گئیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی اور لوگوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہاں تک کہ اس مہم میں منبروں کا دھڑلے سے استعمال کیا گیا، اور یہ ذمہ داری معلمین کے حوالے کردی گئی، انھوں نے ان کے بچوں اور نوجوانوں کو کافی مقدار میں سکھایا اور قرآن کی مانند اس کی روایت اور تعلیم دی، حد یہ کہ ان کی لڑکیوں، عورتوں، خادموں اور ہرکاروں کو اس کی مکمل تعلیم دی گئی، اور ان لوگوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس کے بعد حدود مملکت کے تمام شہروں کے لئے صرف ایک تحریر لکھی: ''دیکھو جس کے بھی خلاف یہ ثبوت مل جائے کہ یہ علی اوراولاد علی کا چاہنے والا ہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دو اور وظیفہ بند کردو''اس کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی تھا ''جس کسی کو بھی ان سے میل جول رکھتے پاؤ اس کی بیخ کنی کردو اور اس کا گھر ڈھا دو''اب اس سے زیادہ اور مشکل دور عراق میں نہیں آسکتا تھا خاص طور سے کوفہ میں، حد یہ کہ اگر کسی شخص کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتے تھے کہ یہ علی کا شیعہ ہے یا نہیں؟ تو اس کے گھر میں جاسوس کو چھوڑ دیتے تھے، وہ شخص اپنے غلام و خادم سے ڈرتا تھا جب تک اس سے مطمئن نہیں ہوجاتا تھا کسی قسم کے راز کی بات نہیں کرتا تھا۔من گڑھت حدیثوں کی بھرمار اورالزامات کی بارش ہوگئی اوراس (جرم) میں فقیھوں، قاضیوں اور امیروں کے ہاتھ رنگین تھے۔

سب سے بڑی مصیبت تو یہ تھی کہ جو قاریان قرآن اور رواویان حدیث تھے اور وہ لوگ جو تقویٰ و زہد کا اظہار کرتے تھے، انھوں نے بھی حدیث کی تخلیق میں خاطر خواہ حصہ لیا تاکہ امیر شہر کی نگاہوں میں باوقار اور ان کی نشستوں میں مقرب، مال دو دولت کے حصہ دار اور مکانوں کے مالک بن جائیں، حد یہ کہ یہ خودساختہ حدیثیں جب ان متدین افراد کے ہاتھوں پہنچیں جو جھوٹ اور بہتان کو

حرام گردانتے تھے تو انھوں نے بے چوں و چرا ان کو قبول کرلیں اوران کو حق اور سچ سمجھتے ہوئے دوسروں سے نقل بھی کیں، اگر وہ یہ جانتے کہ یہ باطل ہیں تو نہ ہی اس کو نقل کرتے اور نہ ہی اس کی حفاظت کرتے۔ یہ سلسلہ حضرت حسن مجتبیٰؑ کی شہادت تک چلتا رہا، ان کے بعد تو فتنہ و بلا میں اضافہ ہوتا گیا اور علی کے حامیوں میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اپنے جان و مال اور شہر بدر ہونے سے خائف نہ ہو۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حالات نے دوسرا رخ اختیار کرلیا اور عبد الملک بن مروان امیر بنا اس نے شیعوں پر سختی شروع کردی اور حجاج بن یوسف ثقفی کو ان پر مسلط کردیا، بس کیا تھا زہد کے ڈھونگی، اصلاح ودین کے بہرو پیئے، علی کے بغض اور دشمنان علی کی محبت، اور عوام میں جو بھی یہ دعوی کرتا کہ ہم بھی علی کے دشمن ہیں ان سے دوستی کے سبب مقرب بارگاہ ہوگئے، اور شہ کی مصاحبی پر اترانے لگے، اس کے بعد خاندان بنی امیہ کے گرگوں کی ثنا خوانی، فضائل بیانی اور یاد ماضی کی روایتوں میں اضافہ شروع ہوگیا، دوسری طرف حضرت علی کی ہجو، عیب تراشی اور طعن و تشنیع کا دروازہ کھلا رہا۔

ایک شخص حجاج بن یوسف کے سامنے آکے کھڑا ہوا، کہا جاتا ہے کہ اصمعی عبد الملک بن قریب کا دادا تھا، وہ چیخا، اے امیر! میرے گھر والوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے او رمجھے علی کہہ کر پکارتے ہیں میں مجبور و لاچار شخص ہوں، میں امیر کی عنایتوں کا محتاج ہوں، حجاج اس پر بہت ہنسا اور بولا کہ: تمہارے اس توسل حاصل کرنے کے لطف میں تم کو فلاں جگہ کا حاکم بناتا ہوں۔ ابن عرفہ جو کہ نفطویہ کے نام سے مشہور ہیں اور بزرگ محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے اس خبر سے متعلق تاریخ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ: اصحاب کی شان میں گڑھی جانے والی اکثر حدیثیں بنی امیہ کے دور حکومت کی ہیں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تخلیق کی گئیں ہیں کیونکہ فرزندان امیہ یہ سوچ رہے تھے کہ اس کے سبب بنی ہاشم کو ذلیل کردیں گے[1]۔

جیسا کہ ابن ابی الحدید نے دوسری روایت حضرت امام باقرؑ سے روایت کی ہے: جو اسی معنی کی عکاسی کرتی ہے، آپؑ نے اپنے کچھ اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا: اے فلاں! قریش نے ہم پر کیا کیا مصیبتیں نہیں ڈھائیں اور ہمارے شیعوں نے کیسے کیسے ظلم نہیں

[1] شرح نہج البلاغہ، ج۱۱، ص۴۴، ۴۶. وہ تکالیف اور مشکلات جو آل بیت کی زندگی کا حصہ بن گئیں.

برداشت کئے۔ لوگوں سے رسول اللہ نے قبض روح کے وقت فرمایا تھا: ''ہم (اہل بیت) لوگوں میں سب سے برتر ہیں'' قریش نے ہم سے روگردانی کرلی یہاں تک کہ خلافت اپنے محور سے ہٹ گئی اور انصار کے مقابل ہمارے حق و حجت پر احتجاج کیا، اس کے بعد قریش ایک کے بعد دوسرے کی طرف اس کو لڑھ کاتے رہے یہاں تک کہ ایک بار پھر ہم تک واپس آئی پھر ہماری بیعت توڑ دی گئی، ہمارے خلاف علم جنگ بلند کر دیا گیا اور اس خلافت کا مالک و پیشوا مشکلات و پریشانیوں میں گھٹتا رہا یہاں تک کہ شہادت اس کا مقدر بن گئی، پھر ان کے فرزند حسن کی بیعت کی گئی اور عہد و پیمان کئے گئے لیکن ان کے ساتھ عہد شکنی کی اور ان کو تسلیم کرادیا گیا۔ اہل عراق نے ان کے خلاف بغاوت کی اور خنجر کا وار کیا، ان کا لشکر تتر بتر ہوگیا، ان کی اولاد کی ماؤوں کے زیورات چھین لئے گئے۔

جب معاویہ سے صلح کی تو حسنؑ اوران کے فرزندوں کا خون محفوظ ہوا، ان کی تعداد بہت ہی کم تھی اس کے بعد اہل عراق نے حسین کی بیس ہزار کی تعداد میں بیعت کی، لیکن اپنی بیعتوں سے منحرف ہوگئے اوران کے خلاف نکل پڑے جب کہ ان کی گردنوں میں حسین کی بیعت کا قلادہ پڑا تھا۔ پھر بھی حسین کو شہید کرڈالا اس کے بعد ہم اہلبیت ہمیشہ پستے رہے اور رسوا ہوتے رہے ہم دور، امتحان میں مبتلا، محروم و مقتول، خوف زدہ، ہمارا اور ہمارے محبوں کا خون محفوظ نہیں رہا، دروغ بافوں اور ملحدوں نے جھوٹ اورالحاد کے سبب اپنے امیروں، شہر کے بدکردار قاضیوں اور بد دین اہلکاروں کی قربت حاصل کی، انھوں نے جھوٹی اور من گڑھت حدیثوں کا جال بنا، او رہماری طرف ان چیزوں کی نسبت دی جن کو نہ ہم نے کہا تھا اور نہ ہی انجام دیا تھا یہ سب، صرف لوگوں کو ہمارا دشمن بنانے کے لئے کیا گیا، اور سب سے بڑا اور برا وقت حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے دور خلافت میں آیا تھا۔

ہر شہر میں ہمارے شیعہ قتل کئے جارہے تھے، صرف گمان کے سبب ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے! جو کوئی بھی ہماری محبت یا تعلقات کا اظہار کرتا اس کو یا قید کردیتے یا اس کا مال لوٹ لیتے یا اس کا گھر ویران کردیتے، یہ کیفیت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ قاتل حسینؑ، عبید اللہ بن زیاد کا زمانہ آیا، اس کے بعد حجاج آیا اس نے ہر طرف موت کا بازار گرم کردیا، ہر گمان و شک کی بنیاد پر

گرفتار کرا لیتا (زمانہ ایسا تھا کہ) اگر ایک شخص کو زندیق و کافر کہتے تو برداشت کرلیتا بجائے اس کے کہ اس کو علی کا شیعہ کہا جائے، حد یہ کہ وہ شخص جو کہ مستقل ذکر الٰہی کرتا تھا شاید سچا تقویٰ ہو، مگر وہ عجیب و غریب حدیثوں کو گذشتہ حاکموں کی فضیلت میں بیان کرتا تھا جب کہ خدا نے ان میں سے کسی ایک شیٔ کو خلق نہیں کیا تھا، اور نہ وجود میں آئی تھی وہ لوگوں کی کثرت روایت کو سبب حق سمجھتا تھا اور نہ ہی جھوٹ کا گمان تھا اور نہ ہی تقویٰ کی[1]۔ یہ دونوں عظیم اور بھروسہ مند عبارتیں بنی امیہ کے دوران حکومت میں شیعوں کی حقیقی کیفیت کی عکاس ہیں، جبکہ اموی حکومت سوا سو سال (۱۲۵) پر محیط ہے، لیکن عباسی حکام نے آل محمد کی رضا کا ڈھونگ رچایا تھا اور ان کے فرزندوں کے دعویدار بن کر اموی حکومت کا تختہ پلٹ کر انقلاب لانا چاہا تھا لیکن انھوں نے چچازاد بھائی ہونے کے باوجود اہلبیتؑ کے ساتھ غداری کی۔

ہر چند کہ اموی عہد کے آخری ایام اور عباسی حکومت کے ابتدائی دنوں میں اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں کے لئے تھوڑا سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تھا، مگر عباسی خلفاء اس جانب بہت جلد متوجہ ہوگئے، خاص طور سے منصور کے زمانے میں تشیع کی مقبولیت اہلبیتؑ کے گرد حلقہ بنانے کے سبب تھی اور جب انھوں نے یہ محسوس کیا تو ابتدائی شعار کی خول اتار دیئے اور اموی ظالم و جابر حکومت کہ جس کو ظلم کے سبب ختم کیا تھا اس سے آگے نکل گئے اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں پر سختی شروع کردی، جس کے سبب گرد و نواح سے انقلاب کی آواز اٹھنے لگی جس میں علوی سادات کرام شریک کار تھے جن میں سے محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علیؑ ملقب بہ نفس ذکیہ پیش پیش تھے جنھوں نے عباسی خلیفہ منصور کے نام ایک خط روانہ کیا تھا جس میں اس بات کا اشارہ تھا کہ تم لوگوں نے اہلبیتؑ سے قربت ثابت کر کے اموی حکومت کیسے ہتھیایا ہے اور حکومت ہاتھ آتے ہی ان کو برطرف کردیا، وہ کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ یہ ہمارا حق ہے، تم نے اس کو ہمارے واسطہ سے حاصل کیا ہے اور ہمارے شیعوں کی مدد سے تم نے خروج کیا تھا ہماری فضیلت کے سبب اس کے حصہ دار بنے ہو، ہمارے باپ علیؑ (ابن ابی طالب) وصی اور امام تھے ان کی اولادوں کے ہوتے

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۱، ص۴۳

ہوئے تم اس (خلافت) کے وارث کیوں کر بن بیٹھے، تم اس بات کو بخوبی جانتے ہو کہ اس کا حقدار ہمارے سوا کوئی نہیں کیونکہ حسب و نسب اور اجدادی شرف میں کوئی ایک بھی ہمارے ہم پلہ نہیں۔ ہم نہ ہی فرزندان لعنت خوردہ، نہ ہی شہر بدر اور نہ ہی آزاد شدہ ہیں، بنی ہاشم میں قرابت داری کے لحاظ سے ہم سے بہتر نہیں جو قرابت سابقۂ اسلامی اور فضل میں بہتر ہو، اللہ نے ہم میں سے اور ہم کو چنا ہے، محمدؐ ہمارے باپ اور نبیوں میں سے تھے، اور اسلاف میں علیؑ، اول مسلمین ہیں، نبی کی ازواج میں سب سے افضل خدیجہ طاہرہ تھیں جنھوں نے سب سے پہلے قبلہ رخ ہوکر نماز ادا کی، رسولؐ کی نیک دختر حضرت فاطمہ زہراؑ تھیں جو خواتین بہشت کی سردار ہیں، اسلام کے دو شریف مولود حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں[1]۔ جب منصور نفس ذکیہ کو گرفتار نہ کر سکا تو اس نے کینہ کے تیروں کا رخ ان کے خاندان اور اہل قبیلہ کی جانب کر دی، منصور نے ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کو جاحظ نے یوں نقل کیا ہے: منصور فرزندان حسن مجتبیٰؑ کو کوفہ لے گیا اور وہاں لے جا کر قصر ابن ہبیرہ میں قید کر دیا اور محمد بن ابراہیم بن حسن کو بلاکر کھڑا کیا اور ان کے گرد دیوار چنوا دی اور اسی حال میں چھوڑ دیا یہاں تک وہ بھوک و پیاس کی شدت کے سبب جان بحق ہوگئے اس کے بعد ان کے ساتھ جو فرزندان حسن تھے ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا۔

ابراہیم الغمر بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالبؑ کو زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ سے انبار لے جایا گیا، اور وہ اپنے بھائیوں، عبد اللہ اور حسن سے کہہ رہے تھے کہ ہم بنی امیہ کے خاتمہ کی تمنا کر رہے تھے اور بنی عباس کی آمد پر خوش ہو رہے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم اس حال میں نہ ہوتے جس میں اس وقت ہیں[2]۔ نفس ذکیہ کے انقلاب کو کچل دینے کے بعد اور مدینہ میں ان کے قتل اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے قتل کے بعد ''جنھوں نے بصرہ میں قیام کیا تھا اور کوفہ کے نزدیک باضری نامی مقام پر جاں بحق ہوئے تھے''، جس کو لوگ بدر صغریٰ بھی کہتے تھے[3]۔ عباسی حکام کے خلاف انقلابات بپا ہوتے رہے، محمد بن جعفر منصور کے زمانے میں علی بن عباس بن حسن بن حسن بن علی ۲۲۲ نے قیام کیا، لیکن اس علوی انقلابی کو دستگیر کرنے میں کامیاب ہوگیا، حسن بن علیؑ کی

[1] تاریخ طبری، ج۷، ص۵۶۷
[2] النزاع و التخاصم، ص ۷۴
[3] مقاتل الطالبین، ابی الفرج الاصفہانی، ص۳۶۵

سفارش پر ان کو آزاد کر دیا لیکن شہد کے شربت میں زہر دیدیا گیا جس نے اپنا کام کر دیا، چند دن نہیں بیتے تھے کہ وہ مدینہ کی طرف چل پڑے لیکن ان کے جسم کا گوشت جا بجا سے پھٹ گیا تھا اور اعضائے بدن جدا ہوگئے تھے اور مدینہ میں پہنچ کر تین دن بعد انتقال ہوگیا[1]۔ موسی ہادی خلیفہ کے زمانے میں حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالب ۲۲۲ نے قیام کیا او ران کا یہ قیام فخ نامی مقام پر ان کے قتل کے ساتھ ختم ہوگیا، وہ شہید فخ کے نام سے مشہور ہیں،ہادی کے بعد جب رشید حاکم ہوا تو اس نے یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن کو گرفتار کرا کر زندہ دیوار میں چنوا دیا[2]۔ جب مامون نے حکومت سنبھالی تو علویوں سے محبت کا دکھاوا کیا اور علی بن موسیٰ الرضاؑ کو بلاکر جبراً ولی عہدی دی اس کے بعد زہر دے کر شہید کرا دیا۔ عباسی حکمرانوں کی عادات قبیحہ جڑ پکڑ گئیں اور ائمہ علیہم السلام کو اس کا نشانہ بنایا اور زندہ و مردہ سب پر ظلم کیا۔

چنانچہ متوکل نے قبر امام حسینؑ پر ہل چلوا دیئے اور پانی بھروا دیا اور لوگوں کو آپ کی زیارت سے منع کر دیا بلکہ مسلح افراد کے ذریعہ ناکہ بندی کرادی کہ کوئی شخص بھی امام حسینؑ کی زیارت کو نہ جائے اور اگر جائے تو فوراً اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ متوکل نے اہلبیتؑ کے خلاف قید و بند کی سیاست اختیار کی، عمر بن الفرج کو مکہ و مدینہ کا مختار کل بنا دیا،اور فرزندان ابوطالب پر کڑا پہرہ بٹھا دیا کہ یہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھ سکتے اور لوگوں پر پابندی لگادی تھی کہ ان کے ساتھ حسن رفتار نہ کریں اور کوئی اس وقت ایک شخص بھی کسی قسم کی معمولی سی بھی ان کی اطاعت نہیں کر سکتا تھا، مگر یہ کہ سختی جھیلے اور نقصان اٹھائے، بلکہ انتہا یہ تھی کہ سیدانیوں کی ایک جماعت کے پاس صرف ایک پیراہن ہوتا تھا جن میں باری باری نماز ادا کرتی تھیں اس کے بعد اس پر پیوند لگا تی تھیں اور چرخہ کے پاس سر برہنہ بیٹھ جاتی تھیں[3]۔

---

[1] مقاتل الطالبین، ابی الفرج الاصفہانی، ص۳۶۵
[2] مقاتل الطالبین، ص۴۰۳
[3] مقاتل الطالبین، ص۴۰۳

جب متعین باللہ حاکم ہوا تو اس نے یحییٰ ابن عمر بن حسین کو قتل کر دیا، جن کے بارے میں ابوالفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ: وہ بہادر، دلیر، قوی الجثہ، نڈر، جوانی کی غلطیوں سے پاک شخص تھا اس کا مثل نہیں مل سکتا، جب ان کا سر بغداد میں لایا گیا تو اہل بغداد متعین کے خلاف چیخنے لگے، ابوحاتم علی بن عبد اللہ بن طاہر داخل ہوئے اور کہا کہ: اے امیر! میں تجھے اس شخص کی موت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اگر رسول خدا زندہ ہوتے تو ان کو اس حوالے سے تعزیت پیش کرتا، یحییٰ کے دوستوں کو قیدی بنا کر بغداد میں لایا گیا، اس سے قبل کسی اسیر و قیدی کارواں کو اس بدحالی اور بگڑی کیفیت میں نہیں دیکھا گیا تھا، وہ لوگ ننگے پیر زبردستی پھرائے جارہے تھے اگر ان میں سے کوئی پیچھے رہ جاتا تو اس کی گردن اڑادی جاتی تھی[1]۔ کئی صدی تک شیعوں نے چین کا سانس نہیں لیا، مگر جب بہائی حکمراں کا دور ۳۲۰ھ میں آیا اور انھوں نے بعض اسلامی ممالک کی باگ ڈور سنبھالی تو سکون ملا، یہ اخلاق کے بہت اچھے تھے، انھیں کے دور حکومت میں شیعی ثقافت نے نمو پائی، یہاں تک سلجوقیوں کا دور آیا اور وہ ۴۴۷ھ میں بغداد کے حکمراں بن گئے ان کا سردار طغرل بیگ تھا اس نے شیعہ کتب خانہ کو نذر آتش کا حکم دے دیا اور شیعوں کے مرجع شیخ طوسی جس کرسی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، اس کو بھی جلوایا، اس کتب خانہ کو بھی نذر آتش کر دیا ،جسے ''ابونصر سابور بن اردشیر ''نے مرتب کیا تھا جو بہاء الدولہ البویھی کے وزیر تھے، وہ وقت بغداد میں علم کا دور تھا، اس وزیر جلیل نے کرخ میں اہل شام کے محلہ میں ۳۸۱ھ میں ہارون کے بیت الحکمہ کی مانند اس کتب خانہ کو بنایا تھا یہ بہت اہمیت کا حامل کتب خانہ تھا، اس وزیر نے اس میں ایران و عراق کی ساری کتابیں جمع کر دی تھیں، اہل ہند، چین، روم کے مولفین کی کتابوں کو جمع کر دیا تھا ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی جو عظیم آثار اور اہم سفر ناموں پر مشتمل تھی، اس میں موجود اکثر کتابیں مولف کی ہاتھوں کی لکھی ہوئی اصل خط میں تھیں، ان کتب میں ابن مقلۃ کے ہاتھوں کا لکھا مصحف بھی تھا[2]۔

---

[1] مقاتل الطالبین، ص۴۰۳
[2] خطط الشام، ج۳، ص ۱۸۵، الکامل فی التاریخ، ج۱۰، ص۳

یاقوت حموی اس کتاب خانہ کی تعریف میں کہتا ہے کہ: پوری دنیا میں اس سے بہتر کتابیں نہیں تھیں اس کی ساری کتابیں معتبر ذمہ داروں کے خط اوراصول تحریر پر مشتمل تھیں[۱]۔ خلافت عثمانیہ (ترکیہ) کے زمانے میں بھی شیعوں پر کچھ کم مظالم نہیں ڈھائے گئے، سلیم عثمانی بادشاہ کے، کان خبر چینوں نے بھر دیئے کہ آپ کی رعایا میں مذہب شیعیت پھیل رہی ہے اور بعض افراد اس سے منسلک ہو رہے ہیں، سلیم عثمانی نے ان تمام افراد کو قتل کا حکم صادر کردیا جو اس مذہب شیعہ میں شامل ہو رہے تھے[۲]۔ اس وقت تقریباً چالیس ہزار افراد کا قتل عام کیا گیا۔ شیخ الاسلام نے فتوی دیا کہ ان شیعوں کے قتل پر اجرت ملے گی اور شیعوں کے خلاف جو جنگ کو ہوا دے گا اس کو بھی انعام دیا جائے گا[۳]۔ ایک شخص نے شیخ نوح حنفی سے شیعوں کے قتل اور جنگ کے جواز کا مسئلہ پوچھا تھا اس کے جواب کے تحت شہر حلب میں ہزاروں لوگوں کو قتل کردیا گیا، اس خود باختہ مفتی نے اس کے جواب میں لکھا کہ: خدا تمہارا بھلا کرے تم جان لو کہ وہ (شیعہ) لوگ کافر، باغی، فاجر ہیں، ایک قسم کے کفار باغی، دشمنان خدا، فاسقین، زندیق و ملحدین جمع ہوگئے ہیں۔

جو شخص ان کے کفر و الحاد اور ان کے قتل کے وجوب و جواز میں ڈانواں ڈول ہو، وہ بھی انھیں کے مثل کافر ہے، آگے کہتا ہے کہ: ان اشرار کفار کا قتل واجب ہے، چاہے توبہ کریں یا نہ کریں، ان کے بچوں اور ان کی عورتوں کو کنیز بنانے کا حکم ہے[۴]۔ یہ تو تاریخ میں سے بہت کم ہے جس کو شیعیت نے تاریخ کی مشکلات و پریشانیوں کو جھیلا ہے۔

ہم نے صرف بطور اختصار پیش کیا ہے ان اسباب سے پردہ اٹھانے کے لئے جس کا بعض حکومتیں دفاع کرتی ہیں اور جو لوگ شیعیت کے چہرے کو خاطر خواہ لبادہ میں لپیٹ کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ شیعیت ہمیشہ تاریخ کے ظالم و جابر بادشاہوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی ہے، جیسا کہ انھوں نے ہم کو ایسے فکری مقدمات فراہم کئے کہ شیعہ کئی حصوں میں

[۱] معجم البلدان، ج۲، ص۳۴۲
[۲] معجم البلدان، ج۲، ص۳۴۲
[۳] الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، اسد حیدر، ج۱، ص۲۴۴
[۴] الفصول المہمہ، تالیف سید عبد الحسین شرف الدین، ص ۱۹۶۔۱۹۵، فتاوی حامدیہ، ج۱، ص۱۰۴؛ تاریخ الشیعہ، شیخ مظفر، ص۱۴۷؛ التقیہ فی فقہ اہل البیت، ج۱، ص۵۱

تقسیم ہو جائیں، ظاہر سی بات ہے ان اقدامات کے تحت بہت سارے لوگ اندھیرے میں رہ گئے او روہ اقدامات و اسباب جو انحراف کی نشو و نما کے لئے اس میں داخل کئے گئے تھے تاکہ لوگ اصلی خط شیعیت سے منحرف ہو جائیں، بعض اسباب کے تحت منحرفین اور وسواسی لوگ صفوف شیعہ میں داخل ہوگئے اور بعض نے فاسد عقائد کا اظہار اور باطل نظریات کواس سے ضم کر دیا تاکہ شیعیت کا حقیقی چہرہ لوگوں کے سامنے بدنام ہو جائے۔ جو ظالم حکمرانوں کے لئے ایک موقع تھا اور اس اصلی انقلابی اسلامی تحریک کے خلاف ان ظالموں کی مدد تھی، یہ اسلامی خط اس دین کا محافظ تھا جس کو رسول عربیؐ لے کر آئے تھے اور اہل بیت کرام کو اسکی حفاظت پر مأمور کیا تھا جو کہ رسولؐ کے بقول قرآن کے ہم پلہ تھے۔

چوتھی فصل

مسیر تشیع

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ائمہ ؑ نے اس بات کو بخوبی درک کرلیا کہ ابتدائی گروہ کے جانے بعد اب صرف یہی باقی ہیں اور ان میں عقیدتی وہ پختگی نہیں آئی ہے جو قیام کی مطلوبہ اہلیت کی حامل ہو اور اس کو حاصل کرنے کے لئے جسمانی قربانی بہت پیش کی ہے، لہٰذا انھوں نے ادھر سے رخ موڑ لیا، ایک نئی چیز کی جانب وہ تھی شیعوں کی ثقافتی تربیت ان کے قلب و دماغ میں عقیدوں کی پختگی اور انحرافی راہوں سے ان کی حفاظت، جو کہ عباسی سلاطین کے دور حکومت اور زیر سایہ جنگی صورت میں جنم پائی تھی، لہٰذا امام سید سجادؑ نے اس تحریک کو اسلام کی حقیقی تعلیم کی صورت میں لوگوں تک پھیلانا شروع کردیا اور ایسے محافظین کی تربیت شروع کی جو اسلام کی راہ و رسم کو زندہ رکھ سکیں اور سنت نبوی کو اجاگر کر سکیں۔

ہر چند کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد بہت ہی مشکل کام تھا اور اموی سلطانوں نے شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے ان کو بہت گھٹن میں مبتلا کردیا تھا اور اہل بیت کی نقل و حرکت پر گھات لگائے تھے، سید سجاد کی تحریک بعض مشکلات کے روبرو تھی، جب آپؑ کے فرزند امام محمدؑ نے امامت سنبھالی تو حالات کچھ بہتر ہوئے، اس وقت اموی حکمرانوں کی گرفت تھوڑی ڈھیلی پڑ رہی تھی اور امام کو اتنی مہلت مل گئی کہ گذشتہ دنوں کے بنسبت شیعوں کو جمع کر کے علوم اسلامی کو ان تک پہنچا سکیں، جب ان کے فرزند امام

صادقؑ کا دور امامت آیا تو اموی حکومت کا سورج بس غروب کے پردے میں جانے ہی والا تھا اور جابر سلطانوں کی ساری مشغولیت خانہ جنگیوں کو کچلنا رہ گئی تھی، عباسی خلفاء کی سلطنت کا طلوع امام صادقؑ کے لئے سنہری موقع تھا کہ وہ علوم اسلامی کو دل بخواہ کیفیت میں لوگوں تک منتقل کر سکیں۔

آپؑ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور مختلف شہروں سے طلاب علوم آپ کے گرد حلقہ بنا لیتے، ان کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی تھی یہ واقعاً شیعوں کے لئے ایک طلائی فرصت تھی کہ امام سے ملاقات کر سکیں اور علوم آل محمد سے سیراب ہو سکیں، ان کے مقابل ان انحرافیوں کا مکتب و مرکز تھا جن کے بانی اموی سلاطین تھے وہ اپنی فکروں کو فروغ دینے میں دن ورات مشغول تھے۔ أئمہ اہلبیت ۲۲۲ مسلحانہ انقلاب سے دوری اختیار کر چکے تھے جو حکومت کی بیخ کنی کرے، اس لئے کہ اس وقت شیعوں کی تعداد اتنی نہیں تھی جو مقصد کو حاصل کر سکے اور انقلاب کی ذمہ داری کو سنبھال سکے اور جن قربانیوں کی ضرورت تھی ان کو پیش کر سکے، اس وقت ثقافت و تعلیم کی جانب رخ موڑ دینا کامیاب نہ ہونے والے انقلاب سے کہیں بہتر تھا، اور اس بات کی پوری تائید حضرت زید بن علی کا مسلحانہ انقلابی اقدام ہے جو انھوں نے اموی سلاطین کے خلاف کیا تھا اور ان کے قتل پر ختم ہوگیا تھا اوراہل کوفہ نے ان کا ساتھ اسی طرح چھوڑ دیا جس طرح ان کے آباء و اجداد کے ساتھ غداری کی تھی۔

یہ اس بات کی غماز ہے کہ وہ لوگ خیمۂ انقلاب کی حفاظت کی بالکل صلاحیت و لیاقت نہیں رکھتے تھے۔ عباسی حکمرانوں کی ابتدائی زندگی میں نسبتاً سہولت تھی اور یہ موقع شیعہ حضرات کے لئے غنیمت تھا تاکہ اہل بیت سے علوم اسلامی کو حاصل کر سکیں خاص طور سے امام صادقؑ جن کی وجہ سے مذہب اہل بیت مذہب جعفری کہلایا۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ اس طلائی فرصت کو اس وقت گہن لگ گیا جب لوگوں کا ہجوم در اہلبیت پر دیکھا تو عباسیوں کو بہت قلق ہوا، خاص طور سے اس عباسی دعوت کی حقیقت واضح ہوگئی جس کی بنیاد ظاہراً اس بات پر تھی کہ آل محمد کے پسندیدہ شخص کی طرف

لوگوں کو دعوت دی جائے۔ جب لوگوں کے سامنے ان کی اس دعوت نامہ کی قلعی کھل گئی اور لوگوں کی شورش اور آل محمدؑ کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے خائف ہوگئے، تو ائمہؑ اور ان کے ساتھیوں پر سختی شروع کردی، اور سادات کرام کی جانب سے اٹھنے والے ہر انقلاب کو نہایت بیدردی کے ساتھ دبا دیا ۔ شیعوں پر شکنجے کس دیئے ائمہ کرامؑ پر کڑی نظر رکھنی شروع کردی حد یہ کہ برسہا برس کے لئے زندانوں میں قید کردیا، جیسا کہ رشید نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ کیا، یا ان کے آبائی وطن مدینہ منورہ سے جبراً نکال کر ان کو عباسی حکومت کے دار السلطنت میں رہنے پر مجبور کیا، جیسا کہ امام رضاؑ کے بعد باقی تمام ائمہ، امام حسن عسکریؑ تکؑ سب کے ساتھ یہی برتاؤ کیا ۔ وہ زمانہ بہت ہی سخت تھا عباسی حکمرانوں نے جو پہرہ بٹھایا تھا ان دنوں کوئی شیعہ آزادانہ طور پر اپنے امام سے ملاقات نہیں کرسکتا تھا، یہ زمانہ چلتا رہا یہاں تک کہ امام حسن عسکریؑ کو یرغمال بنالیا جب ان کو حضرت حجت کی ولادت کی خبر ہوئی، جوکہ الٰہی تدبیر کے سبب لوگوں کی نگاہوں سے غائب رہے، آپ کی غیبت صغریٰ تقریباً ستر (۷۰) سال کے عرصہ پر محیط تھی، آپ اور آپ کے شیعوں کے درمیان رابطہ نواب اربعہ ''جوکہ ان کی وکالت کا کام کرتے تھے'' ان کے ذریعہ رہا، یہاں تک کہ غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوگیا، اہل بیتؑ کے بعد شیعہ مراجع کرام، علمی، دینی، سیاسی طور پر مکمل مرکز قرار پائے۔

اسلامی فرقے اور غالیوں کے انحرافات

تشیع کی راہ کبھی بھی مشکلات و سختیوں سے خالی نہیں رہی، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ سلاطین، شیعوں اور ان کے اماموں پر بہت سختی کرتے تھے اور یہ حضرات مجبور تھے کہ تقیہ کی صورت میں زندگی بسر کریں اور ائمہ ؑ بھی ہمیشہ حقائق کو علی الاعلان بیان نہیں کرسکتے تھے کیونکہ موجودہ حکومت مد مقابل کھڑی تھی، ایسے حالات میں شیعوں پر سختی اور دباؤ کا خطرہ تھا، انھیں اسباب کے سبب اس وقت کے بعض شیعہ حیران و سرگرداں ہوگئے تھے، ایسے وقت میں بعض روحانی مریض اور گنجلک مقاصد کے علم بردار افراد نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا، اس کا دوسرا سبب ان عوام کا علم سے ناواقفیت تھی، جو مسیر تشیع سے انحراف کا مکمل سبب بنی اور بعد میں آنے والے مسلمین پر اثر انداز ہوئی اور خوارج، معتزلہ، جہمیہ، مرجۂ اور ان کے مانند فرقوں کی صورت میں وجود میں آئے۔

یہ سب آیات الٰہیہ کی غلط تاویل کرنے اور احادیث نبوی کی غلط تشریح کرنے کے سبب ہوا، اس کے علاوہ خطرناک مسئلہ بعض مسلمان نما افراد کا اہل کتاب اور دوسرے مذاہب کے افراد کے ہاتھوں کھلونا بننا تھا جس کے سبب اسرائیلیات داخل ہوئیں اور مسلمانوں کو ان کی تعلیم بھی دی گئیں جن دنوں حدیث کو گڑھا جارہا تھا ان دنوں یہ اتفاقات وجود میں آئے۔ جو چیز دوسرا رخ اختیار کر گئی وہ یہ تھی کہ ان میں سے بعض افراد نے احادیث کی تخلیق اور آیات قرآنی کی غلط تاویل، صرف اپنے مذہب کی تقویت کے لئے کیا، یہ سب اس لئے ہوا کہ بعض افراد اپنے دعویٰ میں حد سے گذر گئے اور اس بات کا دعویٰ کر بیٹھے کہ انھیں کا وہ واحد فرقہ ہے جو حق و حقیقت سے لبریز ہے اور بقیہ سارے فرقے گمراہی میں غرق ہیں۔ اس تنگ و تاریک نظریہ کے تحت تمام مسلمانوں کے کفر اور ان کے خون حلال ہونے، ان کی نسلوں کو ختم کرنے، ان کی عورتوں کو کنیز بنا لینے کی گونج بہت دور تک سنائی دی نیز ان فرقوں کے بیچ کلامی جنگیں بھی بہت ہوئیں اور انھیں عصبیت کے سبب بہت سارے مفاہیم گڈمڈ ہوگئے اور اصطلاحات گنجلک اور بہت ساری ایسی چیزوں کا نام رکھ دیا گیا جن سے ان کا کوئی ربط نہیں تھا۔

اس مسئلہ کے تحت مذہب اہل بیت بڑی مشکل سے دوچار ہوا، ایسے میں بہت سارے فرقے اور فاسد عقائد کے دہشت گرد، مذہب حق میں گھس گئے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی صرف یہ کہ وہ لوگ ولایت اہل بیتؑ کے نام لیوا تھے ہر چند کہ یہ لوگ اہل بیتؑ کے مطمع نظر کے یکسر مخالف تھے، ان میں سے ''غالیوں'' کا گروہ ہے جن کو ائمہ اہلبیتؑ کی جانب نسبت دیدی گئی ہے جب کہ ان کو شریعت و عقل اور خود ائمہ ۲۲۲ نے قبول نہیں کیا ہے۔ ان تمام اسباب کے تحت نیز حکومت ہاتھ آنے کے لئے جنگ کے سبب مفاہیم خلط ملط ہوگئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرقوں کے صاحب کتاب مولفین کے نظریات کے درمیان بڑی معرکہ آرائی ہوئی ہے خاص طور سے شیعوں کے سلسلہ میں، ان مولفین کی آراء جو شیعوں کی تعداد کے سلسلہ میں ہے بالکل اتفاق نہیں پائیں گے، کچھ نے گھٹا کے تین کردیا، کچھ نے بیس سے زیادہ شمار کردیا اور اسی طرح کی کھینچا تانی لگی رہی ہے ان میں سے بعض ایسے فرقے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بعض مولفین نے شخص کو فرقہ کی صورت میں پیش کردیا ہے۔

ہشامیہ، یونسیہ، زراریہ، یہ سب فرد تھے لیکن شہرستانی، صاحب کتاب (ملل و نحل) نے ان سب کو فرقہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور ان کے خاص نظریات کو پیش کیا ہے، بعض مولفین نے دوسرے مذہب کی تحقیر کے لئے اور علم و فضل سے خالی ہونے کے لئے بہت عصبیت سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ بغدادی کہتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے خوارج، رافضی، جہمیہ، قدریہ، مجسّمہ اور سارے گمراہ فرقوں میں نہ ہی کوئی فقہ و رایت و حدیث کا امام ہے اور نہ ہی لغت و علم نحو کا عالم و امام، نہ ہی غزوات و تاریخ و سیرت کا لکھنے والا ہے اور نہ ہی وعظ و نصیحت کہنے والا، اور نہ ہی تفسیر و تاویل کا امام موجود ہے بلکہ ان سارے علوم کا اعم و اخص طور پر جاننے والے صرف اہل سنت و الجماعت میں موجود ہیں[1]۔ ان ساری باتوں کو صرف عناد، دشمنی، کدورت اور کٹ حجتی پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسرے افراد میں آثار اسلامی کے معلومات کا سرے سے انکار کرتے ہیں، جبکہ علماء اسلام کے حدیثی، تاریخی، تالیفات ہر فرقہ میں موجود ہیں جس کی گونج سارے کائنات میں ہے۔ بطور نمونہ وہ مولفین جنھوں نے اس میں خلط ملط کیا ہے، جیسی کہ وہ تقسیم جس کو ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری متوفی ۳۲۴ھ نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین'' میں فرقۂ شیعہ کو پہلے بنیادی طور پر تین قسموں پر تقسم کیا ہے، پھر اس میں دوسرے فرقہ کی شاخ نکالی ہے، اس کے بعد ''غلو'' کرنے والوں کو پندرہ فرقوں میں تقسم کیا ہے، پھر امامیہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو رافضہ کے نام سے یاد کیا ہے پھر ان کو چوبیس (۲۴) فرقوں میں تقسیم کیا ہے، کیسانیہ کو انھوں نے امامیہ میں شریک و شمار کیا ہے، درحقیقت یہ ''غلاۃ'' کا ایک فرقہ ہے امامیہ سے ان کا کوئی سرو کار نہیں، پھر زیدیہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے، جارودیہ، بتریہ، سلیمانیہ پھر ان گروہوں کو دوسرے گروہوں میں تقسیم کیا ہے، اکثر افراد نے غلطی کی ہے اور سلیمانیہ کو زیدیہ کے فرقوں میں شمار کیا ہے، جب کہ ان کے سارے عقائد اہل سنت و الجماعت سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

[1] الفرق بين الفرق، ص ۲۸۲

افسوس اس بات پر ہے کہ اس عصر کے اکثر مولفین نے اس روش کی مکل پیروی کی اور ان گذشتہ کتابوں پر اندھا بھروسہ کیا اور تحقیق و تفحص سے بالکل کام نہیں لیا، کسی فرقہ یا گروہ کے مبانی و مصادر کی طرف بالکل رجوع نہیں کیا تاکہ ان گروہ کے ذمہ داروں کی زبان سے ان کے عقائد کو جان سکیں،بلکہ مخالف فرقہ کے مقالات پر تکیہ کیا اور جو کچھ انھوں نے جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کردیا اس کو آنکھ بند کر کے قبول کرلیا۔ان ساری باتوں کو پیش کرنے کا ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اصل شیعیت کے وجود کو جان سکیں جو کہ ہمارا اصل موضوع ہے یعنی (شیعیت کی نشو و نما) لہٰذا ہم اس بات کی حتی الامکان کوشش کریں گے کہ زمانوں کا اصل اثر ثابت کرسکیں جو شیعیت پر بیتے ہیں اور اس حقیقت سے پردہ اٹھا سکیں جس کو صاحبان کتب نے ڈالا ہے اور شیعہ عقائد میں ان تمام خرافات کو شامل کردیاہے جو ان کے عقائد سے بالکل میل نہیں کھاتے اور نہ ہی شیعہ حضرات ان عقائد کو کسی بھی رخ سے قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے مفہوم تشیع کو بیان کریں گے اس کی بعد اس کے اہم بنیادوں کو وضاحت کے ساتھ پیش کریں گے اس کے بعد شیعہ اور ان کے أئمہ کے موقف کو غلو اور غلاۃ (غلو کرنے والوں) کے سلسلہ میں عرض کریں گے۔

مفہوم تشیع

صاحبان کتب نے شیعہ اور تشیع کے بارے میں متعدد لفظوں میں تعریف کی ہے ان میں سے اہم نظریات کو پیش کر رہے ہیں:

۱۔ ابوالحسن اشعری: جن لوگوں نے علی کا ساتھ دیا اور ان کو تمام اصحاب رسول پر برتر جانتے ہیں،وہ شیعہ ہیں[۱]۔

۲۔ ابن حزم مفہوم تشیع کے بارے میں کہتا ہے: شیعہ کا نظریہ ہے کہ علیؑ رسولؐ کے بعد افضل امت اورامامت کے حقدار ہیں اور ان کے بعد وارث امامت، ان کے فرزند ہیں، درحقیقت یہی شیعہ ہیں، ہر چند کہ مذکورہ باتوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اختلاف ہے اور ان عقائد کا مخالف شیعہ نہیں ہوسکتا[۲]۔

---

[۱] مقالات الاسلامیین، ج۱، ص۶۵، طبع قاہرہ، ۱۹۵۰ء
[۲] الفصل فی الملل و الاھواء والنحل، ج۲، ص۱۱۳، طبع بغداد

۳۔ شہرستانی نے کچھ یوں تعریف کی ہے: شیعہ وہ ہیں جو خاص طور سے علیؑ کے حامی رہے اور اس بات کے معتقد ہیں کہ ان کی امامت و وصایت نص اور رسولؐ کی وصیت سے ثابت ہے چاہے ظاہری ہو یا باطنی اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی اولادوں کے علاوہ دوسرا حقدار نہیں، اگر امامت دوسرے کے پاس گئی تو یقیناً ظلم کا عمل دخل ہے یا تقیہ کے سبب ہے اور اس بات کے قائل ہیں کہ امامت کوئی مصلحتی عہدہ نہیں ہے جو امت مسلمہ کے ہاتھوں طے پائے اور امت کے انتخاب سے امام معین ہو جائے، بلکہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے یہ رکن دین ہے خود رسولوں کے لئے بھی اس مسئلہ میں تساہل و سہل انگاری جائز نہیں اور نہ ہی وہ امت کے ہاتھوں (انتخاب امام) کا فیصلہ سپرد کر سکتے ہیں۔ آگے کہتے ہیں: شیعہ امامت کی تعیین و تنصیص کے قائل ہیں اور انبیاء کے مانند (امام کے لئے) صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، تولی و تبریٰ کے بھی قولی فعلی، عقیدتی قائل ہیں مگر یہ کہ تقیہ کے سبب ایسا نہ کر سکیں[1]۔

۴۔ محمد فرید وجدی: شیعہ وہ ہیں جو علیؑ کی امامت کے مسئلہ میں ان کے ہمراہ رہے اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت ان کی اولادوں سے جدا نہیں ہو سکتی، وہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت کوئی مصلحتی مسئلہ نہیں ہے جس کو امت کے اختیار و انتخاب پر چھوڑ دیا جائے، بلکہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے یہ رکن دین ہے، ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ کی اس مسئلہ پر نص صریح موجود ہو۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کرامؑ صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں اور تولی و تبریٰ کے قولی و فعلی معتقد ہیں مگر ظالم کے ظلم کے سبب یہ عمل تقیہ کی صورت میں انجام دیا جا سکتا ہے[2]۔

۵۔ شیعہ مولفین حضرات نے، شیعہ کی تعریف یوں کی ہے: نوبختی: پہلا فرقہ شیعہ ہے جو حضرت علیؑ کا حامی تھا اور ان کو حیات رسول اور وفات رسولؐ کے بعد شیعیان علیؑ کہا جاتا ہے، یہ لوگ حضرت سے بے پناہ عشق اور ان کی امامت کے اقرار کے سبب مشہور تھے اور وہ افراد مقداد، ابن الاسود، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جندب بن جنادہ غفاری، عمار یاسر تھے، او روہ لوگ جو ان کی مودت

---

[1] ملل و نحل، ص ۱۳۱
[2] دائرة المعارف القرن العشرين، ج۵، ص۴۲۴

علیؑ کے سلسلہ ان کی تائید کرتے تھے اور سب سے پہلا گروہ جو شیعہ کے نام سے معروف ہوا وہ یہی تھا، اس لئے کہ تشیع (شیعہ) کا نام بہت پرانا ہے شیعہ ابراہیم، شیعۂ موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام[1]۔

٦۔ شیخ مفید، شیعہ کی کچھ یوں تعریف کرتے ہیں: شیعہ وہ ہیں جو علیؑ کے حامی اور اصحاب رسولؐ پر ان کو مقدم جانتے ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ رسولؐ کی وصیت اور تائید پروردگار کے تحت امام ہیں، جیسا کہ امامیہ اس بات کا راسخ عقیدہ رکھتے ہیں اور جارودیہ صرف بیان کرتے ہیں[2]۔

٧۔ شیخ محمد بن حسن طوسی، وہ نص و وصیت سے کلام کو مربوط کرتے ہوئے تشیع کے عقائد کو مربوط کرتے ہوئے کہتے ہیں: علیؑ مسلمانوں کے امام، وصیت رسولؐ اورارادۂ خدا کے سبب ہیں، پھر نص کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں: ١۔ جلی ٢۔ خفی نص جلی اس کو شیعہ امامیہ نے تنہا نقل کیا ہے اور جن اصحاب نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے وہ خبر واحد سے کیا ہے۔ لیکن نص خفی کو شیخ طوسی نے نقل کیا ہے کہ اس کو سارے فرقوں نے قبول کیا ہے گوکہ اس کی تاویل اور مراد معنی میں اختلاف کیا ہے اوران کی اس بات سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔

طوسیؒ نے سلیمانیہ فرقہ کو زیدیہ شیعی فرقہ سے جدا کیا ہے کیونکہ وہ لوگ نص کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امامت شوریٰ (کمیٹی کے انتخاب) کے ذریعہ طے ہوسکتی ہے اور اگر دو نیک کسی پر ایک ساتھ اتفاق رائے کرلیں تو بھی امامت ممکن ہے، مفضول کو بھی (فاضل کے ہوتے ہوئے) امامت مل سکتی ہے۔ صالحہ،بتریہ، زیدیہ فرقہ کا بھی امامت کے سلسلہ میں سلیمانیہ ہی کی مانند نظریہ ہے شیخ طوسیؒ نے سلیمانیہ کے نظریہ کو مذکورہ بالا فرقوں کے نظریات پر منطبق کیا ہے[3]۔

---

[1] فرقۂ شیعہ، ص ١٧
[2] هويۃ التشيع، الشيخ احمد وائلی، ص ١٢، من موسوعۃ العتبات المقدسہ المدخل، ص٩١
[3] ڈاکٹر عبد اللہ فیاض، تاریخ امامیہ، ص ٣٣۔ ٣٢

یہ وہ آراء و نظریات تھے جو مفہوم تشیع کے سلسلہ میں قدیم اور معاصر دونوں فرقوں کے علماء نے پیش کیئے، ہم ان نظریات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مفہوم تشیع کے لئے دو اصطلاحیں ہیں: ۱۔ تشیع کے عمومی معنی، ۲۔ تشیع کے خصوصی معنیٰ۔ جو شخص بھی اس موضوع کو جاننا چاہتا ہے اس کے لئے مفہوم بہت گنجلک ہوگیا ہے، مذکورہ آراء ونظریات جو پیش کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جن لوگوں نے مفہوم تشیع کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے انھوں نے تشیع کے صرف خصوص مفہوم کو بیان کیا ہے عمومی مفہوم سے بالکل سروکار نہیں رکھا، لہٰذا ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ دونوں کو تقسیم کرکے اصل مسئلہ کی وضاحت کردیں۔

تشیع کا عمومی مفہوم

۱۔ یہ کہ علیؑ کو صرف عثمان پر افضل جانا ہے ابوبکر و عمر سے افضل نہیں جانتے، تو اس طرح کی شیعیت میں اصحاب و تابعین اور تبع تابعین کا بہت بڑا گروہ شامل ہو جائے گا جیسا کہ شمس الدین ذہبی نے ''ابان بن تغلب'' کے حالات میں جن لوگوں نے ان کے شیعہ ہونے کے بارے میں کہا ہے اس سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ؛ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے، بدعت صغریٰ جیسے شیعوں کی بدعت، یا شیعوں کی بدعت جس میں غلو و تحریف نہ ہو، تو اس میں تابعین اور تبع تابعین جو صاحبان دین زہد و ورع ہیں ان کی کثیر تعداد شامل ہے، اگر ان افراد کی حدیثوں کو غیر قابل قبول مانا جائے تو تمام احادیث و آثار نبوی ختم ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑا نقصان ہوگا، غلو کرنے والے شیعہ گذشتہ زمانے میں تھے اور ان کی شناخت یہ ہے کہ وہ لوگ، عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ اور وہ گروہ جنھوں نے علیؑ سے جنگ کی ان پر لعن طعن کے قائل تھے[1]۔

---

[1] میزان الاعتدال، ج۱، ص۶ پر کہا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ میں لوگوں نے کتابیں تحریر کی ہیں پھر ان روایات کو درج کیاہے جس میں یہ حدیث ذکر ہے ترمذی نے اپنے اسناد کے ساتھ انس سے روایت کی ہے کہ رسول ؐ کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللّٰہم ائتنی باحب خلقک الیک یأکل معی من ہذا الطیر'' خداجو تیرے نزدیک سب سے محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ اس پرندہ کے گوشت میں میرا سہیم ہوسکے۔ حضرت علی ؑ اس وقت تشریف لائے اور رسول خدا ؐ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد ابن کثیر نے متعدد روایات کواس موضوع سے متعلق مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اس کے بعد کہا ہے کہ ان کی تعداد نوے (۹۰) سے زیادہ ہے۔ اور کہا کہ اس حدیث سے متعلق مستقل کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے ابوبکر بن مردویہ، حافظ ابوطاہر، محمد بن احمد بن حمدان ہیں جس کو ہمارے شیخ ابو عبد اللہ ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ ابی جعفر بن جریر طبری کی ایک مستقل جلد کتاب دیکھی ہے جس میں تمام طرق اور الفاظ حدیث کو ذکر کیا ہے۔ لیکن قاضی ابی بکر باقلانی متکلم کی ایک کتاب دیکھی اس کی سند میری نظر میں ضعیف ہے، ہر چند کہ اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا گیاہے پھر بھی اس کی صحت میں نظریات مختلف ہیں۔ اس حدیث کی رد کی اصل

۲۔ وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ علیؑ تمام اصحاب پر فضیلت و برتری رکھتے تھے جن میں ابوبکر و عمر شامل ہیں، لیکن اس اعتراف کے ساتھ کہ ان دونوں (ابوبکر و عمر) کی خلافت صحیح تھی اور علیؑ اور کسی ایک کے لئے بھی کوئی نص نہیں تھی جو علی کی خلافت پر دلالت کرے۔ بغدادی فرقہ معتزلہ اور بعض بصریوں نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ کے شروع ہی میں اس بات کی تفصیل پیش کر دی ہے کہ ہمارے تمام شیوخ رحمھم اللہ خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین بصری ہوں یا بغدادی سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت صحیح اور شرعی تھی گو کہ نص (نبوی یا الٰہی) کے تحت نہ تھی، بلکہ اختیار پر منحصر تھی جو اجماع او رغیر اجماع کے ساتھ واقع ہوئی امامت تک رسائی کا یہ بھی ایک راستہ ہے ،خود تفضیل کے سلسلہ میں اختلاف نظر ہے۔

بصری، قدماء میں سے جیسے ابوعثمان، عمروبن عبیدہ، ابی اسحاق، ابراہیم بن یسار النظام، ابوعثمان عمرو بن بحر ابی حظ، ابو معن ثمامہ ابن اثرس، ابو محمد ہشام بن عمور فوطی، ابی یعقوب یوسف بن عبد اللہ الشحام اور دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ ابوبکر حضرت علیؑ سے افضل تھے، اور ان لوگوں نے افضلیت کی ترتیب مسند خلافت پر آنے کی ترتیب سے مرتب کی ہے۔ بغدادی تمام متقدمین و متاخرین شخصیتوں مثلاً، ابی سہل بشر بن المعتمر، ابی موسیٰ بن صبیح، ابی عبد اللہ جعفر بن مبشر، ابی جعفر اسکافی، ابی الحسین خیاط، ابی القاسم عبد اللہ بن محمود بلخی اور ان کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ ابوبکر سے افضل تھے۔

بصریوں میں اس نظریے کے قائل ابوعلی محمد بن عبد الوہاب جبائی آخری فرد ہیں، اور یہ (توقف آراء) کرنے والے افراد سے پہلے تھے، یہ حضرت علیؑ کی تفضیل کے قائل تھے مگر اس کی صراحت نہیں کی، جب انھوں نے تصنیف کی تو ان تصانیف میں

وجہ ہے کہ مسلمانوں کے عام فرقوں کے عقیدہ کے خلاف ہے. اور وہ یہ کہ علی ؑ کا تمام اصحاب پر افضلیت رکھنا. کیونکہ یہ حدیث رسول ؐ کے بعد تمام کائنات میں علی ؑ کو افضل ثابت کرتی ہے۔قاضی القضاۃ نے ابوالقاسم کی کتاب المقالات کی شرح میں لکھا ہے کہ ابو علی ؒ نے آخری وقت میں علی ؑ کی افضلیت کا اقرار کیا ہے، اور یہ بات انھوں نے سماعی (سن کر) نقل کیاہے ان کی تصنیفات میں اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔دوسری جگہ قاضی القضاۃ کہتے ہیں: جب ابو علی کا وقت احتضار تھا تو انھوں نے اپنے بیٹے ابوہاشم کو اشارہ سے بلایا جب کہ ان کی آواز میں رعشہ تھا، ابوہاشم کو بہت سارے راز ودیعت کئے جن میں سے حضرت علی ؑ کے افضلیت کا بھی مسئلہ تھا۔

توقف فرمایا او ریہ کہہ کر اکتفا کی کہ اگر حدیث طیر صحیح ہے تو حضرت علیؑ افضل ہیں[1]۔ جو افراد حضرت کی افضلیت کے قائل تھے ان میں بصریوں میں سے شیخ ابو عبد اللہ حسین بن علی بصری تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کی افضلیت پر تحقیق کی تھی اور اس پر مُصر بھی تھے اوراس حوالے سے مستقل ایک کتاب بھی تالیف کردی۔ بصریوں میں سے جو حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل تھے، وہ قاضی القضاۃ ابوالحسن عبد الجبار بن احمد ہیں۔ ابن متویہ نے علم کلام کی کتاب (الکفایہ) میں قاضی القضاۃ سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوبکر و علیؑ کی افضلیت کے مسئلہ پر توقف کرنے والوں میں سے تھے انھوں نے اس پر کافی طویل احتجاج کیا ہے لہٰذا یہ دو مذہب ہیں جس کو آپ نے درک کیا۔ بزرگوں کی ایک کثیر تعداد نے ابوبکر و علیؑ کی افضلیت پر اظہار نظر سے توقف کیا ہے، اس بات کا ادعا ابو حذیفہ، واصل بن عطاء اور ابو ہذیل محمد بن ہذیل علاف نے کیا ہے جو کہ متقدمین میں سے ہیں، در آں حالیکہ ان دونوں نے ابوبکر و حضرت علیؑ کے درمیان افضلیت پر توقف کیا ہے لیکن حضرت علیؑ کو عثمان پر قطعی طور پر افضل جانتے ہیں۔

جو لوگ توقف کے قائل ہیں ان میں سے ابوہاشم عبد السلام بن ابی علی، شیخ ابو الحسین محمد بن علی بن طیب بصری ہیں۔ ابی الحدید کہتے ہیں: لیکن ہم لوگ اسی نظریہ کے قائل ہیں جس کو ہمارے بغدادی شیوخ نے اختیار کیاہے یعنی حضرت کا افضل ہونا، اور کلامی کتابوں میں ہم نے افضل کے معنیٰ کو ذکر کیا ہے۔ افضل سے مراد کثرت ثواب یا کثرت فضیلت و اوصاف حمیدہ کا حامل ہونا ہے، ہم نے وہاں ذکر کیا ہے کہ آپؑ دونوں معنیٰ میں افضل تھے[2]۔

تشیع کا خصوصی مفہوم

حضرت علیؑ کا رسولؐ کے بعد تمام لوگوں پر افضلیت رکھنا نبی اکرمؐ کے صریح نص سے ثابت ہے اور ان کی امامت کے حوالے سے رسولؐ کی حدیث موجودہے اور خدا کا حکم بھی ہے، رسول اکرمؐ کے بعد آپ کی امامت ثابت ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو عہد

---

[1] اس حدیث کو متعدد محدثین نے مختلف الفاظ میں اس کو ذکر کیا ہے جیسے ترمذی، حدیث ۳۷۲۱، طبری، ج۱، ص۲۲۶، ج۷، ص۹۶، ج۱۰، ص ۳۴۳، ذہبی، میزان عدالت، ص ۲۸۰، ۲۶۳۳، ۷۶۷۱، ۸۵۰۶، ابن حجر، لسان العرب میں، ج۱، ص۷۱، ۸۵، کنز العمال، ۴۶۵۰۷، ۳۹۶۴، مشکوٰۃ، ۶۰۸۵، مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۲۵، الاتحاف، ج۷، ص۱۲۰، تذکرۃ، ۹۴۹۴، تاریخ دمشق، ج۵، ص۲۲۲، ج۷، ص۳۴۲، تاریخ جرجان، ص۱۷۶، ان کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں جن میں اس حدیث کا تذکرہ ہے۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص۷

رسالت میں موجود تھا جس کو رسولؐ کے بعض قریبی اصحاب نے درک کیا اور دوسرے افراد تک اس کو پہنچایا اور روز و شب کی گردش سے دوام پاتا گیا، یہاں تک کہ آج اس کو حیات جاویدانی مل چکی ہے اور خدا اس کو مزید حیات عطا کرے، اثنی عشری شیعہ حضرات نے اس کو عقیدہ کا جزء جانا ہے جس کو بطور خلاصہ ہم پیش کریں گے۔

اثنا عشری عقیدہ

شیعہ اثنا عشری حضرات اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے امام بارہ ہیں اور وہ یہ ہیں، علی ابن ابی طالبؑ، حسن بن علی، حسین بن علی، علی بن الحسین السجاد، محمد بن علی الباقر، جعفر بن محمد الصادق، موسی بن جعفر الکاظم، علی بن موسیٰ الرضا، محمد بن علی التقی، علی بن محمد النقی، حسن بن علی عسکری، محمد بن حسن المنتظر صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین اور اپنے عقیدہ کے ثبوت میں ان نصوص کو سند بناتے ہیں جو فریقین کے درمیان متفق علیہ ہیں اور ولایت علی ابن ابی طالبؑ جو کہ اللہ و رسولؐ کے حکم سے ثابت ہے ان میں کچھ گذشتہ بحثوں میں گذر چکی ہیں ان میں سے خاص طور سے حدیث غدیر، حدیث ثقلین جس میں رسول اکرمؐ نے اہل بیتؑ سے تمسک کی ضرورت پر نص کے طور پر حکم دیا ہے، بحثوں میں اہل بیتؑ کا تعارف کرا چکے ہیں اوران کے بعد بقیہ ائمہ ان کی کل تعداد بارہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ نصوص جس کے وہ لوگ تنہا دعویدار ہیں، متفق علیہ اسناد ہیں جو کہ اہل سنت کے بزرگ علماء نے درج کیا ہے، ان میں سے بخاری و مسلم ہیں نیز اصحاب صحاح و مسانید اوراحادیث کے معجم مرتب کرنے والے افراد، نے اس کو نقل کیا ہے۔

بخاری کے الفاظ ہیں کہ: جابر بن سمرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا کہ ''بارہ امیر ہوں گے'' اس کے بعد ایک جملہ کہا جس کو میں سن نہ سکا تو میرے والد نے کہا ''وہ سب کے سب قرش سے ہوں گے'' علماء اہل سنت بارہ کی عدد میں متحیر ہوگئے۔ ابن کثیر بارہ ائمہ کے حوالے سے جو کہ سب قریش سے ہوں گے، کہتے ہیں کہ یہ وہ بارہ امام نہیں ہیں جن کے بارے میں رافضی دعویٰ کرتے ہیں، یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ لوگوں کے امور صرف علی ابن ابی طالبؑ سے مربوط ہیں پھر ان کے فرزند حسن اور ان کے عقیدے کے مطابق ان کے سب سے آخر مہدی منتظر جو کہ سامرہ کے سرداب میں غائب

ہوئے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں ہے، نہ ہی کوئی اثر ہے نہ ہی کوئی نشانی، بلکہ اس حدیث میں جن بارہ کے بارے میں خبر دی گئی ہے وہ چار خلیفہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی ۲۳۵ اور عمر بن عبد العزیز ان دو اقوال کے درمیان اہل سنت کی تفسیر اثنا عشری میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن کثیر نے حدیث کو نقل کرنے کے بعد علماء کے اقوال کو نقل کیا ہے جن میں سے بیہقی بھی ہیں لیکن عدد کے سلسلہ میں غلطی کی ہے اور ان علماء نے خلفاء راشدین کے ساتھ بنی امیہ کے خلفاء کو بھی بیان کیا ہے اور یزید بن معاویہ، ولید بن یزید بن عبد الملک جس کو ابن کثیر نے کہا ہے کہ ''یہ فاسق ہے جس کی مذمت میں ہم حدیث پیش کر چکے ہیں'' ان دونوں کو اس فہرست میں داخل کرنے میں بہت ساری مشکلات سے دو چار ہوئے ہیں۔

یہ لوگ بارہ کی عدد کو مکمل کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ ان میں سے بعض کو حذف کریں کیونکہ لوگوں کا ان افراد پر اجماع نہیں ہے اور وہ خاطر خواہ نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ آخر میں ابن کثیر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابو جلد کی روایت صحت سے قریب ہے کیونکہ ابو جلد وہ شخص ہے جس کی نظر قدیم کتب پر ہے اور توریت میں بھی اس کے معنیٰ کو درک کیا ہے: اللہ نے ابراہیم کو اسماعیل کی بشارت دی اور اس بات کی بھی بشارت دی ہے کہ ان کی نسل پاک سے بارہ عظیم شخصیتوں کو خلق کرے گا۔ اس کے بعد ابن کثیر نے اپنے شیخ ابن تیمیہ حرانی کے قول کو نقل کیا ہے ''جابر بن سمرہ کی حدیث میں انھیں لوگوں کی بشارت دی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ امت میں فاصلہ فاصلہ سے وجود میں آئیں گے، جب تک ان کی تعداد پوری نہیں ہوگی قیامت نہیں آئے گی۔

یہودیوں میں سے مشرف بہ اسلام ہونے والے وہ افراد غلطی پر ہیں، جن کا خیال ہے کہ رافضی فرقہ جو کہتا ہے وہی ہماری کتابوں میں لکھا ہے لہٰذا رافضیوں کی بات مانو[1]۔ ان لوگوں کا اس بات کا اعتراف کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں اثنا عشر سے مراد اہلبیت کو بتایا ہے جن کو شیعہ حضرات بارہ امام کہتے ہیں کیونکہ یہاں اہل کتاب اسلام میں داخل ہوکر شیعہ کہلائے۔ اور ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ

[1] البدایہ والنہایہ، ج۶، ص۲۷۸، ۲۸۰، ج۲، ص۱۷۶، جناب ہاجرہ سے اسماعیل ؑ کی ولادت کے تذکرہ کے ضمن میں

خیال درست نہیں کہ وہ خلفاء امت میں فاصلہ فاصلہ سے ہوں گے کیونکہ حدیث میں اس طرح کا کوئی مفہوم نہیں ہے، جب کہ ان افراد کی تعداد خلافت اسلامی کے سقوط سے لے کر اب تک مکمل نہیں ہوئی۔ ابن حجر عسقلانی نے بعض علماء کے آراء کو پیش کیا ہے جس میں سے ابن جوزی اور ابن البطال اوردوسرے افراد ہیں۔ ابن جوزی اس حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں: اس حدیث کے معنی کے بارے میں بہت طولانی بحث کی اوراس کے تمام مفاہیم پر غور کیا لیکن مجھ کو روایت کا اصل مفہوم معلوم نہ ہوسکا، اس لئے کہ حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں یہ خلط ملط راویوں نے کیا ہے[1]۔

اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کا اس حدیث کے بارے میں مضطرب و سرگردان رہنے کا راز یہ ہے کہ اس حدیث میں ''خلیفہ اور امیر'' جیسے الفاظ ہیں، لوگوں نے اس کا مطلب خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور ان کے علاوہ دوسرے سرکش حکمرانوں کو سمجھ لیا اور وہ یہ بھول بیٹھے کہ خلافت و امارت در حقیقت امامت ہے جو کہ حکم و اختیار کے حساب سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔

شیعیت کے باقی عقائد حسب ذیل ہیں ا۔ توحید: یعنی خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک و ہم پلہ نہیں، وہ ذاتاً واجب الوجود ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، وہ آفات و نقصان سے منزہ ہے، وہ زمان و مکان میں محدود نہیں، اس کے مثل کوئی چیز نہیں، وہ جسمانیات و حدوث سے پاک و پاکیزہ ہے دنیا و آخرت میں اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتی، اس کی تمام صفات ذاتی مثلاً: حیات، قدرت، علم، ارادہ اور ان کے مانند دیگر صفات اس کی عین ذات ہیں۔

۲۔ عدل: شیخ مفید نے اس اصل کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ خدا عادل و کریم ہے اس نے بندوں کو اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے او ران کو اطاعت کا حکم دیاہے اور گناہ و معصیت سے منع کیا ہے اور اپنی ہدایت سب پر یکساں رکھی ہے، کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیا، اس کی خلقت نہ ہی عبث ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی اونچ نیچ ہے، اس کا فعل قبیح نہیں، اعمال میں بندوں کی شرکت سے منزہ ہے، کسی کو اس کے گناہ کے سوا عذاب نہیں دیتا، کسی بندے کی ملامت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ کوئی قبیح فعل انجام

---

[1] فتح الباری، ج۱۳، ص۱۸۱

دے، إن اللہ لا یظلم مثقال ذرّۃ فإن تک حسنۃ یضاعفھا و یؤت من لدنہ أجراً عظیما[1]۔ اسی جگہ پر دوسرے مذاہب کے سربراہ افراد یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی بھی نیکوکار کو بغیر کسی گناہ کے سزا دے سکتا ہے اور کسی بھی گنہگار پر نعمتیں نازل کرکے جنت میں بھیج سکتا ہے، یہی ہے خدا کی جانب ظلم کی نسبت دینا، اور خدا ان خرافات سے پاک و منزہ ہے۔ معتزلہ نے شیعوں کے اس مسئلہ میں اتفاق رائے کیا ہے اسی سبب اصطلاح میں ان دونوں فرقوں کو ''عدلیہ'' کہتے ہیں۔

۳۔ نبوت: یعنی مخلوقات کی جانب مبشر و نذیر کی صورت میں انبیاء کی بعثت واجب ہے اور خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے آدمؑ اور آخر میں انبیاء کے سردار، افضل بشر، سید خلائق اجمعین حضرت محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین کی صورت میں مبعوث کیا، قیامت تک آپ کی شریعت کا بول بالا رہے گا، آپؐ خطا و نسیان اور قبل بعثت و بعد بعثت معاصی کے ارتکاب سے محفوظ تھے۔

آپؐ کبھی اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں کرتے جب تک وحی الٰہی کا نزول نہ ہو جائے، آپؐ نے حق رسالت کو مکمل طور پر ادا کیا، مسلمانوں کے لئے حدود شریعت کو بیان کیا، قرآن آپؐ کے قلب پر نازل ہوا درحالیکہ جب وہ قدیم نہیں تھا، کیونکہ قدیم صرف ذات پروردگار ہے، اس کتاب کے سامنے یا پیچھے سے باطل نفوذ نہیں کرسکتا یہ تحریف سے قطعی محفوظ ہے۔

۴۔ امامت: امامیہ اس بات کے معتقد ہیں کہ امامت ایک طرح کا لطف الٰہی ہے اور نبی اکرمؐ کے لئے ضروری کہ اس مسئلہ سے تغافل نہ کرے اور نبی اکرمؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کا اعلان کیا تھا اور ان سے تمسک کی سفارش بھی کی تھی اور بہت ساری احادیث میں ان کی اتباع کا حکم دیا تھا جس طرح سے اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم دیا تھا۔

۵۔ معاد: یعنی روز قیامت تمام مخلوقات زندہ ہو کر واپس آئیں گی تاکہ خدا ہر شخص کو اس کے عمل کے سبب جزا سزا دے سکے، جس نے نیکی کی اس کو جزا دے گا، جس نے برائی کی اس کو سزا دے گا اور شفاعت ایک طرح کا حق ہے جو گنہگار مسلمانوں کے

---

[1] اوائل المقالات، ص۲۴

لئے ہوگی اور کفار و مشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، یہ شیعہ عقائد تھے جن کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے[1]۔ یہ درحقیقت ان افراد کے جھوٹے دعوؤں کا جواب تھا جو شیعوں کی جانب نہایت ہی غیر معقول باتوں کی نسبت دی ہے، جیسے خدا کو مجسم بنانا اور دیگر نازیبا الزامات، جن کا مقصد صرف شیعیت کو بدنام کرنا ہے۔ انحرافی راہیوفات رسول اکرمؐ کے بعد جو سب سے بڑی مصیبت آئی وہ تھی اجتہادی فکر کی نشو و نما جو کہ شیعی نظریات کو یکسر بدلنے کی کوشش کر رہے تھے خاص طور سے اموی حکمرانوں کے دور سلطنت میں اور ان کے بعد آنے والے ان کے ہم فکر عباسی خلفاء تھے جنھوں نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ شیعیت کی اصلیت کو مختلف وسایل کے ذریعہ بدل دیں گے اور ان کے خلاف فیصلہ کریں گے لیکن جب ان کو یہ مشکل نظر آئی اور تمام ایذاء رسانیاں، قتل و بربریت، تباہی و بربادی، شیعوں کے خلاف، ناکام ہوتی ہوئی نظر آئی، اور ان کے یہ ہتھکنڈے مسلمانوں کے ذہن میں شیعیت کے چہرہ کو مسخ کرنے سے عاجز رہے تو انھوں نے پینترا بدلہ اور شیعیت میں غلط فکروں کو شامل کرنے کی مہم چلائی اور اس زہریلی فکر کی تعلیم عوام میں دینی شروع کی، جس کا اصل مقصد لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا تھی کہ شیعہ ان افکار کے حامل ہیں نتیجتاً لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں گے اور ان کی عظمت و شوکت میں انحطاط آئے گا اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا آسان ہوگا یا کم سے کم ان کی حد بندی ہو جائے گی اور ان کی فکری نشوونما میں گراوٹ آئے گی اوراس امر میں حکومت کو کسی قسم کی قوت کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

یہیں سے بعض فاسد نظریات اور منحرف افراد کی ٹکڑی وجود میں آئی، جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا، جبکہ اس بات کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ اہلبیتؑ سے منسوب ہیں اور ان کے افکار و افعال شریعت کے زیر سایہ انجام پارہے ہیں اور عوام کے جاہل طبقہ میں اس بات کی تشہیر و ترویج بھی ہو رہی تھی، اس ٹکڑی میں بہت سارے افراد آکر شامل ہوگئے، اور ان کے باطل اہداف کے سیلاب میں اس وقت سارے افراد فکری سیلاب زدگی کے شکار ہوگئے جس کے سبب اہل بیتؑ نے ان انحرافی افکار،

[1] عقائد الامامیہ، شیخ مظفر، ص ۳۶، اور اس کے بعد

باطل عقائد سے لوگوں کو منع کیا تھا، یہاں تک شیعیت اپنے اصلی چہرے اور واقعی راہ و رسم پر گامزن ہوگئی ہر چند کہ مخالفین و معاندین نے اس کے حسین چہرہ کو مسخ کرنا چاہا تھا، جب کہ منحرفین اور گمراہوں کی یہ ناکام کوششیں حالات کے تحت تھوڑی بہت اثر انداز ہوئی تھی۔ منحرفین کی اہم ترین سازش یہ تھی کہ سلاطین دہر نے ان کو خفیہ طور پر استعمال کیا تھا تاکہ ان کے ذریعہ شیعیت میں پھوٹ پڑ جائے اور انھیں ارادوں کے تحت کچھ فرقوں نے جنم لیا جو حقیقی شیعیت سے بالکل جدا تھے، نیز ان فرقوں اور گروہوں میں غلو کرنے والے بھی شریک تھے جو کہ کچھ برے ارادہ و عقائد کے ساتھ مذہب تشیع میں گھس گئے ہم ان کا مختصر سا تعارف کرائیں گے اور اس کے بعد ان کے سلسلہ میں ائمہ ۲۲۲ کے آراء و نظریات پیش کریں گے۔ قارئیں محترم! آپ جان چکے ہیں کہ بارہ امام سے تمسک گویا عملی پیروی ہے جن کے بارے میں نص نبوی موجود ہے کہ یہ (اہلبیتؑ) وہ لوگ ہیں جن سے خدا نے ہر طرح کے رجس کو دور رکھا ہے اور ان کی طہارت کا اعلان کیا ہے۔

اور یہ وہی (عقیدہ) ہے جو شاہراہ نص کی تصویر کشی کرتا ہے اور اس سے جدا ہوکر خط اجتہاد پر جانے نہیں دیتا، مگر یہ کہ بعض افراد اس پر قائم و دائم نہ رہ سکے، درمیان راہ ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئے اور ''زیدیہ، اسماعیلیہ'' فرقوں سے جا ملے جو کہ اثنی عشریوں کے کچھ عقیدوں میں تو ساتھ چلے پھر بقیہ عقائد میں ساتھ چھوڑ دیا۔

ان کے عقائد کا خلاصہ آپ کے پیش خدمت ہے: ا۔ زیدیہ، یہ لوگ تمام اصحاب رسولؐ پر حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابوبکر و عمر کی صحت خلافت کے بھی قائل ہیں اور برتر پر کم تر کے تقدم کو جائز سمجھتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ حسین بن علیؑ کی امامت کے بعد اولاد حضرت زہراؑ میں جو شخص بھی عالم، زاہد، شجاع ہو اور تلوار کے ذریعہ قیام کرے اس کو حق امامت حاصل ہے۔ زیدیہ ہی کی ایک شاخ ''جارودیہ'' ہے جو حضرت علیؑ کی افضلیت کے قائل ہیں اور کائنات ہست و بود میں کسی کو بھی ان کے ہم پلہ نہیں سمجھتے اور جو اس بات کا قائل نہ ہو اس کو کافر گردانتے ہیں اور حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرنے کے

سبب اس وقت پوری امت کفر کی شکار ہوگئی، یہ لوگ حضرت علیؑ کے بعد امامت حضرت امام حسنؑ اور ان کے بعد حضرت امام حسینؑ کا حق سمجھتے ہیں، ان دونوں کے بعد ان کی اولادوں کی کمیٹی کے تحت جو مستحق امامت ہوگا وہی امام ہے[1]۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ زیدیہ کا عقیدہ شیعیت سے عمومی طور پر تھوڑا بہت میل کھاتا ہے جو کہ ان کو بغدادی معتزلہ اور بعض بصریوں سے جدا کرتا ہے، اس حوالہ سے یہ باتیں گذر چکی ہیں۔

۲۔ اسماعیلیہ، یہ وہ لوگ ہیں جو امام صادقؑ کے بعد امامت کو ان کے بیٹے اسماعیل کو امام سمجھتے ہیں جب کہ اسماعیل اپنے باپ (امام صادقؑ) کی حیات ہی میں گذر گئے اور ان لوگوں نے یہ مان لیا کہ اسماعیل مرے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو موت آسکتی ہے جب تک وہ پوری دنیا پر حکومت نہ کرلیں۔

یہ اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن کا ظاہر و باطن الگ الگ ہے، لہٰذا سماوات سبع (سات آسمانوں) و الارضون السبع (زمین کے ساتوں طبق) سے مراد، یہ ساتوں امام ہیں (حضرت علیؑ سے لیکر امام صادقؑ کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل)، قواعد عقائد آل محمدؐ میں لکھا ہے کہ شریعت کے باطن کو امام اور نائب امام کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔

لہٰذا یہ جو حشر نشر وغیرہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ سب کے سب رموز و اسرار ہیں اور اس کے بواطن (پیچیدگیاں) ہیں، غسل یعنی امام سے تجدید عہد، جماع یعنی باطن میں امام سے کوئی معاہدہ نہیں ہے، نماز سے مراد امام کی سلامتی کی دعا، زکوٰۃ یعنی علم کی نشر و اشاعت اور اس کے حاجت مندوں تک اس کو پہنچانا، روزہ یعنی اہل ظاہر سے ظلم کو چھپانا، حج یعنی علم حاصل کرنا، نبی کعبہ کی مانند ہیں اور حضرت علی اس کے دروازے ہیں، صفا یعنی نبی، مروہ یعنی علی، میقات یعنی امام، لبیک کہنا (دوران حج) بلانے والے کے باطن کا جواب دینا، طواف کعبہ یعنی اہلبیت رسول کے بیت الشرف کا سات چکر لگانا اور ان جیسے بہت سارے عجیب و غریب

---

[1] تاریخ الفرق الاسلامیہ، الفرق بین الفرق، ص۳۹

عقائد کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ اگر ہم ان فرقوں کو بغور ملاحظہ کریں تو اس بات کا انکشاف ہوگا کہ وہ شیعیت جس کی بنیاد رسول اکرمؐ نے ڈالی تھی اور آج تک اپنے آب و تاب کے ساتھ پیغام رسالت کی حامل اور اثنا عشری عزائم و عقائد کا مرکز ہے ان لوگوں کا شیعہ فرقوں سے کوئی واسطہ نہیں۔

غلو اور غلو کرنے والے!

اس بحث کو چھیڑنے کا مقصد غلو کرنے والے اوراس کے فرقوں کی نقاب کشائی ہے اور وہ اختلاط جو متقدمین و متاخرین علماء نے اس فرقہ اور شیعیت کے درمیان جان بوجھ کر یا انجانے میں پیش کیا ہے ان کو بیان کرنا مقصود ہے، ان علماء نے غلو کرنے والوں کے بہت سارے عقائد کو شیعہ اثنا عشری فرقہ کی جانب نسبت دی ہے. بعض نے ان کو ''رافضی'' کے لفظ سے یاد کیا ہے بظاہر وقت کلام شیعوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور ان پر لعن طعن کیا ہے،ان لوگوں نے غلو کرنے والے (فرقۂ غالیہ) کے مختلف عقائد اور دوسرے فرقہ کے عقائد کو رافضہ یا روافض کے عقائد کے نام سے یکجا کر دیا ہے[1]۔

جیسا کہ ابن تیمیہ نے بہتیرے فاسد و باطل عقائد اور عجیب و غریب باتوں کو رافضیوں کے نام ایسا منسوب کیا ہے کہ قاری کے ذہن میں یہ بات ایسے راسخ ہو جائے کہ یہ شیعوں کے عقائد ہیں، لیکن چند صفحات سیاہ کرنے کے بعد کچھ یوں اظہار نظر کرتے ہیں: ''جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ شیعوں کی قسموں میں جو لائق مذمت اقوال و افعال جو کہ مذکورہ باتوں سے کہیں زیادہ ہیں یہ سب کے سب نہ ہی شیعہ اثنی عشری فرقہ میں ہیں اور نہ ہی زیدیہ میں، بلکہ ان میں سے زیادہ تر فرقۂ غالیہ اور ان کے سطحی افراد میں پائی جاتی ہیں۔ مشکل اس بات کی ہے کہ یہ سارے منحرف اور غلاۃ گروہ اہل بیت سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور ان خرافاتی گروہ کا مرکز شہر کوفہ تھا اور یہ شر پسند افراد اپنے تمام تر عقائد میراث میں پائے تھے اور اپنے شہر ''ثانویہ، ثنویہ'' سے کسب کیا تھا جو کہ مجوسیوں کے تراشیدہ و خود ساختہ عقائد تھے، نیز حلول، اتحاد، تناسخ (آواگون)، جیسے عقائد ہندوستان کے فرسودہ عقائد کا چربہ تھا یا اس

[1] قواعد عقائد آل محمد، ص۸، اختصار کے ساتھ.

کے مانند دیگر ممالک جو اسی دسترخوان کے نمک خوار تھے، انھیں سب اسباب کے تحت یہ باطل عقائد فطری طور پر منحرف اور سادہ لوح افراد کے درمیان بہت تیز پھیلے، جب انھوں نے عام مسلمانوں بالخصوص شیعیان کوفہ کو اہلبیت کرامؑ کے لطف و کرم سے فیضیاب ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے آپ کو اہلبیتؑ سے منسوب کردیا اور خود کو ان کا شیعہ ظاہر کیا تاکہ لوگوں کے دلی لگاؤ کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں، جس کے سبب ان کے عقائد کی ترویج میں ان کو آسانی ہوئی۔ جبکہ اہلبیتؑ نے ان خطوط سے لوگوں کو ہوشیار اور مسلمانوں و شیعوں کو غلاة کی مکاریوں سے آگاہ بھی کیا جیسا کہ گذر چکا ہے، مزید کچھ ذکر آئے گا۔ غلو کے سلسلہ میں جو اصل مشکل ہوئی وہ یہ کہ اس کے مفہوم کی حد بندی نہیں ہوئی اور واضح نہ ہوسکا جس کا فطری اثر خلط عقائد ہوا، لہٰذا ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔ غلو کے لغوی معنیٰ: قصد و ارادہ کے ساتھ نکلنا اور حد سے بڑھ جانا ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو حد سے باہر نکل جائے وہ غلو ہے۔ ابن منظور کے بقول: اس نے دین و امر میں غلو کیا یعنی، حد سے باہر نکل گیا۔ غلو قرآن کی نظر میں: (لاتغلوا فی دینکم...) دین میں غلو نہ کرو۔ بعض لوگوں نے کہا: ''فلاں شخص نے اس امر میں غلو کیا'' یعنی وہ حد سے گذر گیا اور تفریط سے کام لیا[1]۔

اصطلاح میں اس کی کوئی جامع و مکمل تعریف دستیاب نہ ہوسکی، لیکن علماء کے نظریات و تعریف کی روشنی میں جو کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ: کچھ افراد کے سلسلہ میں قصد و ارادہ کے ساتھ حد سے بڑھ جانا یا ان کو ان کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ دینا۔ فضیلت و کمال میں غلو کرنا یعنی اس کو اس حد تک بڑھا دینا کہ نبوت و الوہیت کے مرتبہ تک پہنچ جائے تو اس کو ایک قسم کا غلو کہیں گے۔ بنی امیہ کے دور حکومت میں بعض حدیثیں صرف بغض و حسد کے سبب کچھ اصحاب کی شان میں گڑھ دی گئیں اور ان کا اصل مقصد صرف اہلبیتؑ کے فضائل کو مٹانا اور ان کو ان کے مراتب سے گھٹانا تھا۔

جیسا کہ مدائنی و نفطویہ جیسے علماء اہل سنت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، مثلاً عمر بن الخطاب کے فضائل، یا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ خدا سارے لوگوں پر اپنا نور آشکار کرتا ہے لیکن ابوبکر پر عنایت خاص تھی، یا یہ کہ آسمان کے فرشتے عثمان سے حیاء کرتے ہیں اس

[1] لسان العرب، ج۱۵، ص۱۳۲

کے علاوہ ام المومنین عائشہ و طلحہ و زبیر کی قصیدہ خوانی، کہ جنھوں نے حضرت علیؑ جیسے واجب الطاعہ امام کے خلاف جنگ کی۔ بعض صوفیوں نے اپنے پروؤں اور مریدوں کے بارے میں نہایت ہی رکیک باتیں مشہور کیں اور ان کو بسا اوقات انبیاء سے بھی بڑھا دیا، اور مذاہب اربعہ کے ماننے والوں نے اپنے اماموں کے لئے تو بہت کچھ تیار کر ڈالا اور ان کی شان میں از حد غلو سے کام لیا۔ روندیہ فرقہ نے بنی عباس کے سلسلہ میں کفر کی حدتک غلو کیا، اس فرقہ نے اس بات کا دعوی کیا ہے کہ ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کو وصی بنایا تھا، اس لئے کہ یہ ''شراہ'' نامی مقام جو کہ ملک شام میں ہے، وہیں ان کے پاس مرے تھے اور علی اس وقت چھوٹے بھی تھے لہٰذا وہی امام وہی خدا ہیں وہی ہر چیز کے عالم کل ہیں، جو ان کو پہچان لے وہ جو چاہے انجام دے سکتا ہے، اس کے بعد محمد بن علی نے اپنے بیٹے ابراہیم بن محمد ملقب بہ امام کو وصی بنایا، یہ فرزندان عباسی کی پہلی فرد ہیں جن کو امامت ملی، ابو مسلم خراسانی نے بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہے۔

اس کے بعد ابراہیم نے اپنے بھائی ابو العباس عبد اللہ بن محمد ملقب بہ سفاح کو وصی بنایا، یہ عباسی سلسلہ کا پہلا خلیفہ تھا، اس نے اپنے زمانے میں اپنے بھائی ابو جعفر عبد اللہ بن محمد منصور کو وصی بنایا اس نے اپنے بیٹے مہدی بن عبد اللہ کو وصی بنایا اس نے ولایت سنبھالتے ہی وصیت کو بدل دیااور اس بات کا منکر ہوا کہ نبی نے محمد بن حنفیہ کو وصی نہیں بنایا تھا، بلکہ رسولؐ نے عباس بن عبد المطلب کو وصی بنایا تھا، کیونکہ عباس رسولؐ کے چچا اور ان کے وارث تھے نیز اور لوگوں کے بہ نسبت زیادہ رسولؐ سے قریب تھے، ابوبکر و عمر و عثمان و علیؑ جو کہ رسولؐ کے بعد خلیفۂ رسولؐ بنے یہ سب غاصب تھے اور حکومت کوان سے چھین لیا تھے، اس نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ رسول کے بعد امامت کا حق عباس کا تھا ان کے بعد ان کے وارث، عبد اللہ بن عباس، پھر ان کے بیٹے علی بن عبد اللہ، پھر ابراہیم بن محمد الامام، پھر ان کے بھائی عبد اللہ، پھر ان کے بھائی ابو العباس، پھر ان کے بھائی ابی جعفر منصور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

عبد اللہ روندی کے بارے میں روندیہ فرقہ کا کہنا ہے: امام، یعنی ہر شیء کا عالم اور وہی خداوند عالم ہے جو ہر ایک کو موت و حیات دینے والا ہے، ابو مسلم خراسانی اللہ کے رسول اور عالم غیب ہیں، ابو جعفر منصور نے ان کو رسالت عطا کی تھی کیونکہ وہ الوہیت کے درجہ پر فائز تھے اور وہ ان کے اسرار و رموز سے واقف تھے، منصور کے رسولوں نے دعوت کا اعلان کیا۔ جب منصور کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک گروہ کو طلب کیا تو انھوں نے اس بات کا اقرار کیا، اس نے اس بات سے توبہ اور روگردانی کا حکم دیا تو انھوں نے کہا کہ منصور ہمارا خدا ہے وہی ہم کو شہید کرتا ہے، جس طرح سے انبیاء و مرسلین جن کے ہاتھوں وہ چاہتا ہے، شہید کئے گئے، اور ان میں سے بعض کے عمارت ڈھاکر یا غرق کر کے ہلاک کیا، بعض کے اوپر درندے چھوڑ دیئے، بعض کی روحوں کو حادثاتی یا دل بخواہ علتوں سے قبض کرلیا، وہ اپنی مخلوقات کے ساتھ جیسا چاہے برتاؤ کرے اسی کو اختیار ہے اس سے کسی بات کا سوال نہیں ہوگا[1]۔ اسلام سے قبل ادیان و مذاہب میں بھی غلو پایا جاتا تھا۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کی الوہیت کا دعویٰ کیا، جس کو روایات نے بھی بیان کیا ہے اور قرآن نے بھی اس کی عکاسی کی ہے۔

(أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ[2]) (یا اس بندے کے مثال جس کا گذر ایک بستی ہوا جس کے عرش و فرش گر چکے تھے تو اس بندے نے کہا کہ خدا ان سب کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو خدا نے اس بندہ کو سو (١٠٠) سال کے لئے موت دیدی اور پھر زندہ کیا)۔ قرآن کریم نے ان کے خرافاتی نظریہ کو کچھ یوں نقل کیا ہے: (وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ[3]) (یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں)۔

روایات اس بات کی حکایت کرتی ہیں کہ حضرت عزیر کے توسط سے کچھ ایسے معجزات رونما ہوئے جس کے سبب یہودی یہ کہنے لگے کہ ان میں الوہیت پائی جاتی ہے یا اس کا کچھ جزء شامل ہے، یہودیوں کے مثل نصاریٰ کے یہاں بھی ایسے نظریات پائے جاتے ہیں،

---

[1] فرقہ الشیعہ، نوبختی، ص٥٠۔ ٤٦
[2] سورۂ بقرہ، آیت ٢٥٩
[3] سورۂ توبہ، آیت ٣٠

انھوں نے حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں غلو کیا اوران کی الوہیت کا دعویٰ کیا، قرآن کریم نے گذشتہ آیت میں یہودیوں کے نظریات کے فوراً بعد ان کے نظریات کا تذکرہ کیا ہے:(وَ قَالَتِ الیَھُودُ عُزَیرُ ابنِ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصارَیٰ المَسیحُ ابنُ اللّٰہِ ذٰلِکَ قَولُھُم ... یُضَاہِءُونَ قَولَ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن قَبلِ قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ أَنّٰی یُؤفَکُونَ[۱]) (اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یہ سب ان کی زبانی باتیں ہیں ان باتوں میں وہ بالکل ان کے مثل ہیں، جو ان کے پہلے کفار کہتے تھے اللہ ان سب کو قتل کرے یہ کہاں بہکے چلے جارہے ہیں)۔اسی سبب قرآن نے ان کی مذمت کی اور ان باطل خیالات و خرافات کی تنبیہ کی ہے۔

قال اللّٰہ: (یَا أَھلَ الکِتَابِ لَاتَغلُوا فِی دِینِکُم وَ لَاتَقُولُوا عَلَی اللّٰہِ إِلَّا الحَقَّ) (اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کے بارے میں حق کے علاوہ کچھ نہ کہو)یہ بات بالکل ممکن تھی کہ غلو مسلمین میں سرایت کر جائے، کیونکہ اہل کتاب کی شر پسندیاں ان کے فاسد و باطل عقائد سے واضح ہیں۔دوسری جانب وہ دوسری اشرار قومیں جو مجوسیت اور دیگر ادیان سے خارج ہوکر اسلام میں داخل ہوئیں تھیں اور اسلام کا دکھاوا کر رہیں تھیں۔نیز اہل کتاب اور دیگر افراد جنھوں نے بظاہر اپنی گردنوں میں قلادۂ اسلام ڈال رکھا تھا، انھوں نے ضعیف الایمان مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان کے درمیان غلو جیسے باطل عقیدہ کو خوب ہوا دی، درحقیقت یہ اسلام کو اندر ہی اندر کچل ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

غلو سے اسلامی فرقے محفوظ نہیں ہیں، ان فرقے کے علماء وغیرہ نے اپنے بزرگوں کی ثنا خوانی میں عقل کی شاہراہ کو چھوڑ دیااور حدود منطق سے یکسر خارج ہوگئے[۲]۔ابو حنیفہ کی موت پر جناتوں نے گریہ کیا ان کے پاس ثبوت ہے کہ جس رات ابوحنیفہ مرے تھے اس رات گریہ کی آواز آرہی تھی مگر رونے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا[۱]۔

---

[۱] سورہ توبہ، آیت ۳۰

[۲] بعض افراد کے نظریات:وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے ابو حنیفہ کو شریعت و کرامت سے نوازا ہے ان کی کرامات میں سے یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر صبح ان کے پاس آتے تھے اور احکام شریعت کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہ سلسلہ پانچ سال تک قائم تھا. جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت خضر نے خدا سے دعا کی، خدایا! اگر تیری بارگاہ میں میری کوئی قدر و منزلت ہے تو اس کے سبب، ابو حنیفہ کو اجازت دیدے تاکہ وہ قبر میں رہ کر حسب عادت مجھے کچھ تعلیم دیتے رہیں اور میں شریعت محمد ؐ کی مکمل تعلیم حاصل کرلوں، اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا اور حضرت خضر نے ان سے پچیس سال علم حاصل کیا جب حضرت خضر کی تعلیم مکمل ہوگئی تو خدا نے حکم دیا کہ قشیری کے پاس جاؤ اور جو کچھ ابوحنیفہ سے سیکھا ہے ان کو سکھاؤ.حضرت خضر نے جو کچھ ابوحنیفہ سے سیکھا تھا قشیری کو سکھایا اس کے بعد انھوں نے ایک ہزار (۱۰۰۰) کتاب تصنیف کی، اور یہ جیحون نامی نہر کی آغوش میں

شافعی کی طرف نسبت دے کر کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ جو احمد بن حنبل سے بغض رکھے وہ کافر ہے. ان سے کسی نے کہا کہ کیا اس پر کفر باللہ صادق آئے گا؟ تو آپ نے کہا: ہاں. جو شخص ان سے بغض رکھے گویا صحابہ سے عناد رکھتا ہے جس نے صحابہ سے دشمنی کی گویا اس نے رسول سے عداوت برتی اور جس نے رسولؐ سے عداوت کی وہ کافر ہے. طبقات الحنابلہ، ج۱، ص۱۳۱۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد ابن حنبل سے بغض رکھنے والا اللہ کا منکر ہے. ابن جوزی نے علی بن اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہے سارے لوگ ایک پل کے پاس جمع ہیں اور کوئی شخص اس سے گذر نہیں سکتا جب تک اس ایک پروانہ مل نہ جائے کونے میں ایک شخص ہے جو پروانہ عطا کرتا ہے جو اس کو لے کر آتا ہے اس سے گذر جاتا ہے میں نے پوچھا: یہ کون شخص ہے جو پروانے عطا کرتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ احمد ابن حنبل ہیں. مناقب ابن الجوزی، ص۴۴٦۔

اسود ابن سالم کہتا ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسود، اللہ نے تم کو سلام کہا ہے اور تم کو پیغام دیا ہے کہ احمد بن حنبل کے ذریعہ امت گناہوں سے بچی ہے لہذا تم کیا کر رہے ہو؟ اگر تم ان سے متمسک نہ ہوئے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے ۔ حسن صواف کہتا ہے کہ میں نے خدا کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ سے کہا: جس نے احمد بن حنبل کی مخالفت کی وہ مستحق عذاب ہے۔ مناقب احمد بن حنبل، ص۴٦٦۔

ابو عبد اللہ سجستانی کہتا ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کے بعد اس امت میں آپ کا خلیفہ و نمائندہ کون ہے تاکہ دین میں اس کی اقتدا کریں؟ تو آپ نے فرمایا: احمد بن حنبل کی پیروی کرو. مناقب احمد بن حنبل، ص۴٦۸۔

بطور امانت رکھی ہے جب حضرت عیسیٰ چرخ چہارم سے آئیں گے تو اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لئے کہ جس زمانے میں حضرت عیسیٰ آئیں گے سردست شریعت محمدی کی کوئی کتاب مسیر نہ ہوگی حضرت عیسیٰ جیحون کی امانت کو واپس لیں گے وہ قشیری کی کتاب ہوگی،الاشاعۃ فی الشراط الساعۃ، ص۱۲۰، الیاقوتہ، ابن الجوزی، ص۴۵۔

[1] ذہب الفقہ فلا فقہ لکم فاتقوا اللہ و کونوا خلفاء

مات نعمان فمن ہذا الذی یحیی اللیل اذا ما سدناآکام المرجان، قاضی شبلی، ص ۱۴۹.(فقہ ختم ہوگئی اب تمہارے پاس کوئی فقہ نہیں. تقوی الٰہی اختیار کرو اوران کے خلف صالح بنو۔نعمان گذر گئے ان کے مثل کون ہوگا جو راتوں کو جاگتا تھا جب رات کی تاریکی پھیل جاتی تھی)وہ اس بات کے قائل ہیں کہ، احمد بن حنبل امام المسلمین سید المومنین ہیں انہیں کے ذریعہ ہم کو موت و حیات ملتی ہے اور انہیں کے ذریعہ ہمارا معاد ہوگااور جو اس نظریہ کا قائل نہیں ہے وہ کافر ہے. ذیل طبقات الحنابلہ، ج۱، ص۱۳۶۔

انھوں نے احمد بن حنبل کے بغض کو کفر اور محبت کو سنت قرار دیا ہے اور اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی شخص کو ان کی محبت میں سرشار پاؤ تو سمجھو کہ یہ سنت و جماعت کا پیروکار ہے. الجرح و التعدیل، ج۱، ص۳۰۸۔ ق

امام مالک نے خود اپنے خوابوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ''کوئی ایسی رات نہیں بیتی جس میں ہم نے رسولؐ کو نہ دیکھا ہو. الدیباج، ص۲۱۔ خلف بن عمر کہتا ہے: میں امام مالک کے پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ میرے مصلے کے نیچے دیکھو کیا ہے. میں نے اس کے نیچے ایک کتاب پائی، انھوں نے کہا :اس کو پڑھو!اس میں وہ سارے خواب ہیں جس کو برادارن نے دیکھا ہے، پھر انھوں نے کہا کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ رسولؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں اورلوگ ان کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہیں آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ہم نے تم لوگوں سے علم خوشبو چھپالی، اور اب مالک کو حکم دیتا ہوں کہ اس کو لوگوں میں پھیلائیں لوگ وہاں سے یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ، اب مالک حکم رسولؐ کے مطابق نفاذ حکم کریں گے''اس کے بعد مالک روئے اور میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ مناقب مالک، ص۸، حلیہ الاولیاء، ج۶، ص۳۱۶۔ محمد بن رمح کہتا ہے: کہ میں نے اپنے باپ کے ساتھ حج انجام دیا ابھی میں بالغ بھی نہیں ہوا تھا اور میں مسجد نبی میں قبر رسول و منبر رسولؐ کے درمیان سوگیا. میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ عمر و ابوبکر کے شانوں کا سہارا لئے قبر سے باہر آئے میں نے ان سب کو سلام کیا، انھوں نے جواب سلام دیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ !کہاں جانے کا قصد رکھتے ہیں؟آپؐ نے فرمایا: مالک کے لئے صراط پر کھڑے ہونے جارہا ہوں، میری آنکھ کھل گئی اس کے بعد میں اور میرے والد مالک کے پاس گئے تو کیا دیکھا لوگ ان کے پاس جمع ہیں. انھوں نے سب سے پہلے لوگوں کے لئے موطأ لکھی، مناقب مالک، عیسیٰ بن مسعود مرزواوی، ص۱۷۔

محمد بن رمح ہی اس بات کا ناقل ہے کہ میں نے چالیس سال کی عمر میں بھی رسولؐ کو خواب میں دیکھا اور عرض کی: یارسول اللہ! مالک اور لیث نے ایک مسئلہ پر اختلاف کیا ہے؟آپ نے فرمایا: مالک میرے جد ابراہیم کے میراث کے وارث ہیں ۔ الجرح والتعدیل، ج۱، ص۲۸۔بشیر ابن ابی بکر کہتا ہے کہ: میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوگیاہوں میں نے اوزاعی اور سفیان ثوری کودیکھا لیکن امام مالک نظر نہ آئے، میں نے پوچھا: مالک کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: مالک کہاں ہیں؟ مالک بلند ہوئے، بلند ہوئے. وہ کہتا جارہا تھا کہ مالک ہاں ہیں؟ مالک ہاں ہیں؟ مالک بلند ہوئے جاتے تھے اور اتنی بلندی تک پہنچ گئے کہ اگر

دیکھو تو ٹوپی گر جائے. الجرح و التعدیل، ج۱، ص۲۸ ۔ ابو نعیم نے ابراہیم بن عبد اللہ سے اسماعیل بن مزاحم مروزی کی بات کو نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: کہ میں نے خواب میں رسول اللہ کو دیکھا تو میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کریں؟ تو آپؐ نے فرمایا: مالک ابن انس، حلیۃ الاولیاء، ج۶، ص۳۱۷ ۔ مصعب بن عبد اللہ زبیری کہتا ہے کہ: جب ایک شخص رسولؐ کے پاس آیا تو آپؐ کو فرماتا سنا کہ تم میں مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ. آپ نے ان کو سلام کیا گلے سے لگایا سینے سے چمٹایا. وہ کہتا ہے کہ: خدا کی قسم کل میں نے رسولؐ کو اسی جگہ بیٹھے دیکھا تھا. اس وقت آپ نے حکم دیا مالک کو بلاؤ جب آپ آئے تو آپ کے اعضاء کانپ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ: اے ابا عبد اللہ! تم کو کچھ ایسا نہیں ہونا چاہیئے ہم تمہارے ساتھ ہیں. اس کے بعد حکم دیا بیٹھ جاؤ، آپ بیٹھ گئے، پھر حکم دیا اپنا دامن پھیلاؤ آپ نے پھیلایا، رسولؐ نے آپ کے دامن کو مشک سے بھر دیا اور حکم دیا اسکو سینہ سے لگا لو اور میرے امت میں اس کو تقسیم کرو. مصعب کہتا ہے کہ: مالک یہ سن کر بہت روئے اور فرمایاکہ خواب سرور بخش ہوتے ہیں دھوکہ باز نہیں. اگر تمہارا خواب صحیح ہے تو یہ وہی علم ہے جس کو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے. الانتقاء، ص۳۹، شرح مؤطأ، زرقانی، ج۱، ص۴عدوی کہتا ہے کہ: جب ہماری امت و اسلام کے شیخ اللقانی دنیا سے گذر گئے تو بعض متدین افران نے ان کو خواب میں دیکھا . کسی نے پوچھا خدا نے کیا برتاؤ کیا ہے. تو انھوں نے جواب دیا: جب قبر میں دونوں فرشتوں نے بٹھایا تاکہ سوال کریں اس دم امام مالک تشریف لے آئے اور پوچھا کہ کیا ایسے افراد کے ایمان کے سلسلہ میں بھی سوال کی ضرورت ہے؟ ان سے تم دونوں دور ہو جاؤ. دور ہو جاؤ. مشارق الانوار، عدی، ص ۲۲۸ ۔

انھیں لوگوں میں سے منقول ہے کہ: رسول اکرمؐ نے مالک کی کتاب کا نام موطأ رکھا ہے آپؐ سے جواب میں سوال کیا گیا کہ لیث و مالک کسی مسئلہ پر اختلاف رائے رکھتے ہیں ان میں کون عالم ہے؟ تو نبیؐ نے فرمایا: مالک میرے جد ابراہیم کے وارث ہیں. مناقب مالک، زاوی، ص۱۸ ۔ اس شخص نے دوبارہ رسول اکرمؐ سے خواب میں پوچھا: کہ آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کریں تو آپ نے فرمایا: مالک ابن انس. مناقب مالک زاوی، ۱۸، ماخوذ، الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، اسد حیدر ۔

جیسا کہ اسلام سے پہلے کے ادیان غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے چنانچہ ان کے عقائد و نظریات سے واضح ہے،اسی طرح اسلامی فرقے اس کی لپیٹ میں آگئے، مگر یہ کہ بعض مورخین و سیرت نگاروں نے غلو کو صرف ایک فرقہ کی جانب منسوب کردیا کہ فرقہ شیعہ اس میں گرفتار ہے یہ کام اس راہ پر چلتے ہوئے انجام دیا گیا، جس کو شر پسند حکومتوں نے مذہب اہلبیتؑ کے خلاف کئی صدیوں سے قائم کر رکھا تھا۔ جب کہ ہم نے اثنا عشری عقائد کو خلاصہ کے طور پر پیش کیا ہے، توحید، خدا کا پاک و منزہ ہونا جو کہ شیعیت کے اصلی و حقیقی عقائد میں سے ہے اس کو بیان کیا ہے، ہم عنقریب غلو کے سلسلہ میں شیعہ متقدمین و متاخرین و معاصرین علماء کے نظریات کو بیان کریں گے تاکہ غلو و غلاۃ کے سلسلہ میں شیعہ اثنا عشری فرقہ کا نظریہ واضح ہو جائے۔ شیخ مفید کہتے ہیں: غلاۃ اسلام کا دکھاوا کرنے والے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے امیر المومنین اوران کی اولاد پاک کے سلسلہ میں الوہیت و نبوت کی نسبت دی اور ان کے حوالے سے فضیلت کی وہ نسبت دی جو حد سے گذر جانے والی ہے وہ گمراہ و کافر ہیں، امیر المومنین نے ان کے قتل اور آگ میں جلا دینے کا حکم دیا ہے، ائمہ کرامؑ نے ان کے کفر اور اسلام سے خارج ہونے کا فیصلہ دیا ہے[1]۔

شیخ صدوق فرماتے ہیں: غلاۃ اور مفوضہ کے سلسلہ میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ کافر باللہ ہیں یہ لوگ اشرار ہیں جو یہودی، نصاریٰ، مجوسی، قدریہ، حروریہ سے منسلک ہیں یہ تمام بدعتوں اور گمراہ فکروں کے پیروکار ہیں[2]۔ محقق حلی کہتے ہیں: غلاۃ اسلام سے خارج ہیں گو کہ انھوں نے اسلام کا بظاہر اقرار کر رکھا ہے[3]۔

نراقی کہتے ہیں: غلاۃ کی نجاست میں کسی قسم کا شک نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ یا دوسرے افراد کی الوہیت کے قائل ہیں[4]۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ناصبیوں اور خارجیوں کی نماز میت پڑھنا جائز نہیں، اگرچہ اجماع کے حساب سے یہ لوگ اسلام کا اظہار و اقرار کرتے ہیں[1]۔

[1] تصحیح الاعتقاد، ص۶۳
[2] اعتقادات، ص ۱۰۹
[3] المعتبر، ج۱، ص ۹۸
[4] مستند الشیعہ، ج۱، ص۲۰۴

شیخ جواہری کہتے ہیں: غلاۃ ، خوارج، ناصبی اور ان کے علاوہ دیگر افراد جو ضروریات دینی کے منکر ہیں یہ کبھی بھی مسلمین کے وارث نہیں ہو سکتے[2]۔

آقا رضا ہمدانی فرماتے ہیں: وہ فرقہ جن کے کفر کا حکم دیا گیا ہے وہ غلاۃ کا ہے اور ان کے کفر میں شک و شبہ نہیں ہے اس بات کے پیش نظر کہ یہ لوگ امیر المومنینؑ اور دیگر افراد کی الوہیت کے قائل ہیں[3]۔ اپنے وقت کے اعلم دوراں السید محمد رضا گلپائیگانیؒ نے مسئلہ ۴۸۷ میں فرمایا: کہ ذبح کرنے والے کے لئے شرط ہے کہ مسلمان ہو یا حکم مسلمان میں ہو یعنی مسلمان نطفہ سے پیدا ہوا ہو کافر، مشرک یا غیر مشرک کا ذبیحہ حلال نہیں ہے بنا بر اقویٰ کتابی کا بھی ذبیحہ حلال نہیں ہے، اس میں ایمان کی شرط نہیں ہے۔ تمام اسلامی فرقوں کے ہاتھوں کا ذبیحہ حلال ہے سوائے ناصبیوں کے جن کے کفر کا مسئلہ واضح ہے یہ وہ لوگ ہیں جو علی الاعلان اہلبیتؑ سے دشمنی کا اظہار کرتے ہیں، ہر چند کہ یہ لوگ اسلام کا دکھاوا کرتے ہیں۔

انھیں کے مانند وہ گروہ بھی ہے جو اسلام کا دکھاوا کرتا ہے اور کفر ان کے لئے ثابت ہے، جیسے خوارج اور ناصبی[4]۔ یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علماء شیعہ غلاۃ کے کفر اور ان کی نجاست کا حکم دے چکے ہیں اور ان کے سلسلہ میں فقہی مسائل بھی بیان کر دیئے ہیں، مثلاً ان کی نجاست، ان کے ذبیحہ حرام ہے اور یہ مسلمانوں کی میراث نہیں پا سکتے۔ جرح و التعدیل کے شیعہ علماء کا غلاۃ کے سلسلہ میں موقف نہایت واضح ہے۔ عبد اللہ بن سبا: کشی نے ابن سبا کے حالات میں کہا ہے کہ اس نے ادعائے نبوت کیا اور اس بات کا معتقد تھا کہ علیؑ ہی خدا ہیں، اس سے تین دن تک توبہ کے لئے کہا گیا لیکن اس نے انکار کیا تو اس کو مزید ستر آدمیوں کے ساتھ جلا دیا گیا جو اس کے نظریہ کے قائل تھے[5]۔ شیخ طوسی اور ابن داؤد نے کہا ہے کہ، عبد اللہ بن سبا کفر کی طرف پلٹ گیا تھا اور غلو

---

[1] مستند الشیعہ، ج۶، ص۲۷۰
[2] جواہر الکلام، ج۳۹، ص ۳۲
[3] مصباح الفقیہ، ج۹، ق۲، ص۵۶۸
[4] ہدایۃ العباد، ج۲، ص۲۱۷
[5] رجال کشی، ج۱، ص۳۲۳، شمارہ ۱۷۰

کا اظہار کرتا تھا[1]۔ علامہ حلی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: (عبد اللہ بن سبا) غلو کرنے والا ملعون تھا امیر المومنین نے اس کو جلا دیا تھا وہ اس بات کا معتقد تھا کہ حضرت علیؑ خدا ہیں اور نبی ہیں، خدا اس پر لعنت کرے[2]۔

کشی نے ابان بن عثمان سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابا عبد اللہ یعنی امام صادقؑ کو فرماتے سنا، خدا عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے وہ حضرت امیرؑ کی ربوبیت کا قائل تھا جبکہ خدا کی قسم آپؑ خدا کے عبادت گذار خالص بندے تھے، ہم پر جھوٹ باندھنے والوں پر وائے ہو۔ ایک گروہ ہمارے بارے وہ کچھ کہتا ہے جو ہم اپنے بارے میں کبھی نہیں کہتے، ہم ان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم ان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں[3]۔

کشی نے امام صادقؑ سے روایت نقل کی ہے، آپ نے فرمایا: ہم اہل بیت صدیق ہیں، ہم ان دروغ باتوں سے محفوظ ہیں جو ہماری جانب جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں اور ہماری سچائی کو اپنے جھوٹ سے لوگوں میں مشکوک کرتے ہیں، رسول خداؐ لوگوں میں سب سے سچے تھے، مجسمۂ خیر تھے لیکن مسیلمۂ آپؐ پر جھوٹ باندھتا تھا۔

بعد رسول اکرمؐ حضرت امیر المومنین سب سے بڑے صادق، لیکن عبد اللہ بن سبا نے جھوٹ باتیں ان کی جانب منسوب کیں اوران کی سچائی کو اپنے جھوٹ سے مخدوش کیا اوراللہ پر افتراء پردازی سے کام لیا[4]۔

۲۔ جو کچھ گذر چکا اس سے اور آگے بحار الانوار میں درج ہے کہ:امام حسین بن علیؑ مختار ثقفی کے سبب مشکلات سے دوچار ہوئے، پھر امام صادقؑ نے حارث شامی اور بنان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ دونوں، حضرت امام سجادؑ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے اس کے بعد مغیرہ بن سعید، بزیع، سری، ابوالخطاب، معمر، بشار الشعیری، حمزہ ترمذی اور صائد نہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے ہم پر ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی جھوٹ باندھنے والا رہا ہے، یا عاجز الرای رہا ہے۔

---

[1] رجال طوسی، ص ۵۱، رجال ابن داود، ص ۲۵۴
[2] (الخلاصہ، ص۲۵۴
[3] رجال کشی، ج۱، ص۳۲۴، شمارہ ۱۷۱
[4] رجال کشی، ج۱، ص۳۲۴، شمارہ ۱۷۴

خدا نے ہم کو ہر جھٹلانے والے کے شر سے محفوظ رکھا اوران کو تہ تیغ کیاہے[1]۔

غلاۃ کے سلسلہ میں اہل بیتؑ اوران کے شیعوں کا موقف

پیغمبر اسلامؐ نے اصحاب کرام کو اپنی امت میں رونما ہونے والے فتنوں سے باخبر کردیا تھا، انھیں امور میں سے ایک وہ راز تھا جس سے حضرت علیؑ کوآگاہ کیا تھا کہ ایک قوم تمہاری محبت کا اظہار کرے گی اوراس میں غلو کی حد تک پہنچ جائے گی اور اسی کے سبب اسلام سے خارج ہوکر کفر و شرک کی حدوں میں داخل ہو جائے گی۔ احمد بن شاذان سے اپنی اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ امام صادقؑ نے آباء و اجداد سے انھوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علی تمہاری مثال ہماری امت میں حضرت عیسیٰ کی سی ہے ان کی قوم نے ان کے بارے اختلاف رائے کر کے تین گروہ بنالیا تھا، ایک گروہ مومن، وہ ان کے حواری تھے، دوسرا گروہ ان کا دشمن جو کہ یہودی تھے، تیسرا گروہ ان کا تھا جنھوں نے غلو کیا اور حد ایمان سے باہر نکل گئے، میری امت تمہارے بارے میں تین گروہ میں تقسیم ہوگی، ایک گروہ تمہارے شیعہ اور وہی مومنین ہیں، دوسرا گروہ تمہارے دشمن جو شک کرنے والے ہیں تیسرا گروہ تمہارے بارے میں غلو کرنے والے اور وہ منکرین کا گروہ ہوگا، علی جنت میں تم، تمہارے شیعہ، اور تمہارے شیعوں کے دوست مستقر ہوں گے، اور تمہارے دشمن اور غلو کرنے والے جہنم میں پڑے ہوں گے[2]۔

غلاۃ کے بارے میں امیر المومنینؑ کا موقف

حضرت امیر نے غلو کرنے والوں پر بہت پابندی لگائی ان پر لعنت بھیجی ان پر سختی کی ان سے برائت اختیار کی۔ ابن نباتہ سے روایت ہے کہ، امیر المومنینؑ نے فرمایا: خدا یا میں غلو کرنے والوں سے ایسے ہی دور و بری ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ نصاریٰ سے بری تھے، خدایا ہمیشہ ان کو ذلیل خوار کر اور ان میں سے کسی ایک کی نصرت نہ فرما[3]۔ آپ نے دوسری جگہ فرمایا: ہمارے سلسلہ

---

[1] بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۶۳
[2] بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۶۵
[3] امالی شیخ طوسی، ص۵۴

میں غلو سے پرہیز کرو، کہو کہ ہم پروردگار کے بندے ہیں، اس کے بعد ہماری فضیلت میں جو چاہو کہو[1]۔ امام صادقؑ سے روایت ہے کہ: یہودی علماء میں سے ایک شخص امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ کا خدا کب سے ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، میرا خدا کب نہیں تھا؟ جو کہ یہ کہا جائے کہ کب تھا! میرا رب قبل سے قبل تھا جب قبل نہ تھا، بعد کے بعد رہے گا جب بعد نہیں رہے گا، اس کی کوئی غایت نہیں اور اس کی غایت و انتہا کی حد نہیں، حد انتہا اس پر ختم ہے وہ ہر انتہا کی انتہا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین کیا آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر وائے ہو میں تو محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں[2]۔ آپ نے فرمایا: حلال و حرام ہم سے دریافت کرو لیکن نبوت کی نسبت نہ دینا[3]۔

غلاۃ اور امام زین العابدینؑ کا موقف

آپ نے فرمایا: جو ہم پر دروغ بافی کرے خدا کی لعنت ہو اس پر میں نے عبد اللہ ابن سبا کے بارے میں سوچا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اس نے بہت بڑی چیز کا دعویٰ کیا اس کو کیا ہوگیا تھا، خدا اس پر لعنت کرے، خدا کی قسم حضرت علیؑ خدا کے نیک بندے، رسول خداؐ کے بھائی تھے، ان کو کوئی بھی فضیلت نہیں ملی مگر اطاعت خدا و رسولؐ کے سبب، اور رسول خداؐ کو کرامت سے نہیں نوازا گیا مگر اطاعت خدا کے باعث۔ امام سجاد نے ابو خالد کابلی کو امت میں ہونے غلو سے باخبر کیا جس طرح سے یہود و نصاریٰ نے کیا تھا، آپ نے فرمایا: یہودی عزیر سے محبت کرتے تھے لہٰذا ان کے بارے میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا، لہٰذا عزیر نہ ان میں سے رہے اور نہ وہ عزیر میں سے رہے، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ سے محبت کی اور وہ سب کچھ کہا جو ان کے شایان شان نہیں تھا، نہ ہی عیسیٰ ان میں سے رہے اور نہ وہ عیسیٰ سے رہے اور ہم بھی اس بدعت کے شکار ہوئے

---

[1] بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۷۰
[2] اصول کافی، ج۱، ۸۹
[3] بحار الانوار، ج۲۶، حدیث و محدثین، ہاشم حسنی، ص ۲۹۹

ہمارے چاہنے والوں میں سے ایک گروہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہے گا جو یہود نے عزیر کے لئے کہا اور نصاریٰ نے عیسیٰ کے لئے کہا، لہٰذا نہ وہ لوگ ہم میں سے ہیں اور نہ ہم ان لوگوں میں سے[1]۔

غلاۃ اور امام محمد باقرؑ کا موقف

زرارہ نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا کہ آپ کو فرماتے سنا، خدا بنان کے بیان پر لعنت کرے، خدا بنان پر لعنت کرے، اس نے میرے باپ پر دروغ بافی کی، میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے والد علی بن الحسینؑ عبد صالح تھے[2]۔

غلاۃ اور امام صادقؑ کا موقف

امام صادقؑ کے دور میں غلاۃ کا مسئلہ بہت بڑھ گیا تھا، انھیں کے پیش نظر امام نے اپنے شاگردوں کے درمیان مختلف علوم کی نشر و تعلیم شروع کردی، آپ کی آواز و تحریک آفاقی ہوگئی اور آپ کے شاگرد و پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، لوگوں کو ان علوم سے آگاہ کرنے لگے جس سے وہ بالکل جاہل تھے، اور جو کچھ اپنے آباء اور رسول اکرمؐ سے سینہ بہ سینہ ملا تھا اس کو لوگوں کے دلوں تک منتقل کرنے لگے، اس کے سبب سطحی اور سادہ لوح افراد یہ سمجھے کہ امام غیب کا علم رکھتے ہیں اور غیب کا علم رکھنے والا الوہیت (خدائی) کے درجہ پر فائز ہوتا ہے، بعض فتنہ پرور افراد نے سادہ لوح افراد کو آلۂ کار بنایا تاکہ لوگوں کے عقائد کی تخریب کے سلسلہ میں اپنے اغراض کو پورا کرسکیں جو ان کا اصلی مقصد تھا، یہ کام خاص طور سے ان لوگوں سے لے رہے تھے جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان کا تعلق سوڈان، زط وغیرہ سے تھا، جو اپنے ساتھ اپنے میراثی عقائد لیکر آئے تھے، اس طرح سے بعض مادی اور روحانی احتیاج کے پیش نظر غلو کو اپنایا اور صراط حق و مستقیم سے دور ہوگئے اور امام صادقؑ کے بارے میں طرح طرح کے خرافات پھیلانے لگے۔

---

[1] رجال کشی، ج۲، ص۳۳۶

[2] رجال کشی، ج۴، ص۵۹۰

مالک ابن عطیہ نے امام صادقؑ کے بعض اصحاب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ بہت غیظ و غضب کی کیفیت میں باہر آئے اور آپ نے فرمایا: میں ابھی اپنی ایک حاجت کے لئے باہر نکلا، اس وقت مدینہ میں مقیم بعض سوڈانیوں نے مجھ کو دیکھا تو "لبیک یا جعفر بن محمد لبیک" کہہ کر پکارا، تو میں اپنے گھر الٹے پیر لوٹ آیا اور جو کچھ ان لوگوں میرے بارے میں بکا تھا اس کے لئے بہت دہشت زدہ تھا، یہاں تک کہ میں نے اپنی مسجد جاکر اپنے رب کا سجدہ کیا اور خاک پر اپنے چہرے کو رگڑا اور اپنے نفس کو ہلکا کر کے پیش کیا، اور جس آواز و نام سے مجھے پکارا گیا تھا اس سے اظہار برائت کیا، اگر حضرت عیسیٰ اس حد سے بڑھ جاتے جو خدا نے ان کے لئے معین کی تھی آپ ایسے بہرے ہوگئے ہوتے کہ کبھی نہ سنتے، ایسے نابینا بن جاتے کہ کبھی کچھ نہ دیکھتے، ایسے گونگے بن جاتے کہ کبھی کلام نہ کرتے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: خدا ابو الخطاب پر لعنت کرے اور اس کو تلوار کا مزہ چکھائے[1]۔ ابوعمرو کشی نے سعد سے روایت کی ہے کہ، مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ، انھوں نے حسین ابن سعید بن ابی عمیر سے اور انھوں نے ہشام بن الحکم سے انھوں نے امام صادقؑ سے روایت کی کہ امام نے فرمایا: خدا ابنان، سری، بزیع پر لعنت کرے، وہ لوگ سرتا پا انسان کی حسین صورت میں در حقیقت شیطان دکھائی دیتے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے آپؑ سے عرض کی کہ وہ اس آیت (ہُوَ الَّذِی فِی السَّمَاءِ إِلٰہٌ وَ فِی الْأَرْضِ إِلٰہٌ[2]) وہ، وہ جو زمین و آسمان کا خدا ہے کی یوں تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا خدا دوسرا ہے اور جو آسمان کا خدا ہے و زمین کا خدا نہیں ہے، اور آسمان کا خدا زمین کے خدا سے عظیم ہے، اور اہل زمین آسمانی خدا کی فضیلت سے آگاہ ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں، امام صادق نے فرمایا: خدا کی قسم ان دونوں کا خدا صرف ایک و اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے، بنان جھوٹ بول رہا ہے خدا اس پر لعنت کرے اس نے خدا کو چھوٹا کر کے پیش کیا اور اس کی عظمت کو حقیر سمجھا ہے[3]۔

---

[1] الکافی، ج۸، ص۲۲۶
[2] سورۂ زخرف، آیت ۸۴
[3] رجال کشی، ج۴، ص۵۹۲

کشی نے اپنے اسناد کے ساتھ امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ،آپ نے اس قول پروردگار (هَل أنَبِّئُكُم عَلىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّياطِين، تَنَزَّلُ عَلىٰ كُلِّ أفّاكٍ أثيم[1]) کیا ہم آپ کو بتائیں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں، وہ ہر جھوٹے اور بدکردار پر نازل ہوتے ہیں، کے بارے میں فرمایا: کہ وہ (جھوٹے و بدکردار) لوگ، سات ہیں: مغیرہ بن سعید،بنان، صائد، حمزہ بن عمار زبیدی، حارث شامی، عبد اللہ بن عمرو بن حارث، الوا لخطاب[2]۔ کشی نے حمدویہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یعقوب نے، انھوں نے ابن ابی عمیر سے، انھوں نے عبد الصمد بن بشیر سے، انھوں نے مصادف سے روایت کی ہے، جب کوفہ سے کچھ لوگ آئے[3] تو میں نے جاکر امام صادقؑ کو ان لوگوں کے آمد کی خبر دی، آپ فوراً سجدے میں چلے گئے اور زمین سے اپنے اعضاء چپکا کر رونے لگے، اور انگلیوں سے اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر فرمارہے تھے، نہیں بلکہ میں اللہ کا بندہ اس کا ذلیل و پست ترین بندہ ہوں اور اس کی تکرار کرتے جارہے تھے جب آپ نے سر اٹھایا تو آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو آنکھوں سے چل کر ریش مبارک سے بہہ رہا تھا، میں اس خبر دینے پر نہایت شرمندہ تھا، میں نے عرض کی: یابن رسول اللہ!میری جان آپ پر فدا ہو،آپ کو کیا ہوا، اور وہ کون ہیں؟۔

آپ نے فرمایا: مصادف! عیسیٰ کے بارے میں نصاریٰ جو کچھ کہہ رہے تھے اگر اس کے سبب وہ خموشی اختیار کر لیتے تو ان کا حق تھا کہ اپنی سماعت گنوا دیتے، بصارت دے دیتے، ابو الخطاب نے جو کچھ میرے بارے میں کہا اگر اس کے سبب سکوت کرلوں اوراپنی سماعت و بصارت سے چشم پوشی کرلوں تو یہ میرا حق ہے[4]۔

شیخ کلینی نے سدیر سے روایت کی ہے کہ، میں نے حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک گروہ ہے جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ہی خدا ہیں، اور اس کے ثبوت میں اس آیت (هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَ فِي الأَرضِ إِلٰهٌ[5]) کو ہمارے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔آپؑ نے فرمایا: سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست اور رُواں رُواں ان لوگوں سے بیزار ہے او

---

[1] سورۂ شعراء، آیت ٢٢
[2] رجال کشی، ج۴، ص۵۹۱
[3] جو امام کی الوہیت و ربوبیت کے قائل تھے
[4] رجال کشی، ج۴، ص۵۸۸
[5] سورۂ زخرف، آیت ٨٢

رخدا بھی ان سے بیزار ہے، وہ لوگ میرے او رمیرے آباء و اجداد کے دین پر نہیں ہیں خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ غضب و عذاب الٰہی کے شکار ہوں گے[1]۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: اے فرزند رسول خداؐ ! ایک گروہ ایسا ہے جو اس بات کا معتقد ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں اوراس آیت کی تلاوت کرتے ہیں :(یا أیُّہا الرُّسُلُ کلُوا مِن الطَّیباتِ وَ اعْمَلُوا صالحاً إِنّی بما تَعْمَلُون عَلیمٌ [2]) ''اے میرے رسولو! پاکیزہ غذائیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو کہ میں تمہارے نیک اعمال سے خوب باخبر ہوں'' آپ نے فرمایا: اے سدیر! میری سماعت و بصارت، گوشت و پوست، خون ان لوگوں سے اظہار برائت کرتا ہے، ان سے اللہ اور ان کا رسول بھی اظہار برائت کرتے ہیں. یہ لوگ میرے اور میرے آباء و اجداد کے دین پر نہیں. خدا کی قسم روز محشر خدا ان لوگوں کو ہمارے ساتھ محشور نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ لوگ عذاب و غضب الٰہی کے شکار ہوں گے۔ راوی کہتا ہے، میں نے عرض کی: فرزند رسول خدا پھر آپ کیا ہیں؟آپ نے فرمایا: ہم علم الٰہی کے خزانہ دار، احکام الٰہی کے ترجمان اور معصوم قوم ہیں، اللہ نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے، اور ہماری نافرمانی سے منع کیا ہے، ہم زمین پر بسنے والے اور آسمان کے رہنے والوں کے لئے حجت کامل ہیں[3]۔

مغیرہ بن سعید غلو کرنے والوں کے گروہ کی ایک فرد تھا جو سحر و جادو کے ذریعہ سطحی اور عام فکر کے حامل لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا. پھر ان لوگوں کے لئے أئمہ اہل بیتؑ کے حوالے سے غلو کو آراستہ کردیتا تھا. امام صادقؑ نے اس غالی شخص کی حقیقت اپنے اصحاب کے سامنے واضح کردی۔ ایک دن اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا: خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اوراس یہودیہ پر لعنت کرے جس سے وہ مختلف قسم کے جادو، ٹونے اور کرتب سیکھتا تھا، مغیرہ نے ہماری جانب جھوٹ باتوں کی نسبت دی جس کے سبب خدا نے اس سے نعمت ایمان کو لے لیا. ایک گروہ نے ہم پر جھوٹا الزام لگایا. خدا نے ان کو تلوار کا مزہ چکھایا. خدا کی قسم ہم کچھ نہیں صرف اللہ کے بندے ہیں اس نے ہم کو خلق کیا اورانتخاب کیا ہم کسی ضرر و فائدہ پر قدرت نہیں

[1] سورۂ مؤمنون، آیت ۵۱
[2] سورۂ مؤمنون، آیت ۵۱
[3] اصول کافی، ج۱، ص۲۶۹

رکھتے اگر کچھ (قدرت) ہے تو رحمت الٰہی ہے اگر مستحق عذاب ہوئے تو اپنی غلطیوں کے سبب ہوں گے۔خدا کی قسم! خدا پر ہماری کوئی حجت نہیں اور نہ ہی خدا کے ساتھ کوئی برائت ہے، ہم مرنے والے ہیں قبروں میں رہنے والے محشور کیئے جانے والے، واپس بلائے جانے والے، روکے جانے والے اور سوال کیئے جانے والے ہیں، ان کو کیا ہوگیا ہے خدا ان پر لعنت کرے، انھوں نے خدا کو اذیت دی اور رسول اکرمؐ کو قبر میں اذیت دی اور امیر المومنین و فاطمہ زہراؑ ، حسن، حسین، علی بن الحسین، محمد بن علی ۲۲۲ کو اذیت دی۔آج کل تمھارے درمیان میں ہوں جو رسول اکرمؐ کا گوشت پوست ہوں، لیکن راتوں کو جب کبھی بستر استراحت پر جاتا ہوں تو خوف و ہراس کے عالم میں سوتا ہوں، وہ لوگ چین و سکون کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لیتے ہیں اور میں خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں دشت و جبل کے درمیان لرزہ براندام ہوں، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو کچھ میرے بارے میں بنی اسد کے غلام اجرع براد، ابوالخطاب نے کہا: خدا اس پر لعنت کرے، خدا کی قسم اگر وہ لوگ ہمارا امتحان لیتے اور ہم کو اس کا حکم دیتے تو واجب ہے کہ اس کو قبول نہ کریں، آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا کہ وہ لوگ ہم کو خائف و ہراس پا رہے ہیں؟ ہم ان کے خلاف اللہ کی مدد چاہتے ہیں اور ان سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فرزند رسول خداؐ ہوں اگر ہم نے ان کی اطاعت کی تو اللہ ہم پر رحمت نازل کرے اور اگر ان کی نافرمانی کی تو ہم پر شدید عذاب نازل کرے۔

امام صادق ۔ نے غلاۃ کی جانب سے دی گئی ساری نسبتوں کی نفی کی ہے، مثلاً علم غیب، خلقت، تقسیم رزق وغیرہ۔

ابی بصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی، یابن رسول اللہ! وہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ بارش کے قطرات، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں، سمندر کے وزن، ذرات زمین کا علم رکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا کی قسم خدا کے علاوہ کوئی بھی ان کا علم نہیں رکھتا۔ آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص، آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ، آپ بندوں کے رزق تقسیم کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ہم سب کا رزق صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے، مجھ کو اپنے اہل و عیال کے لئے کھانے کی ضرورت پڑی تو میں کشمکش میں مبتلا ہوا، میں نے سوچ بچار کے ذریعہ ان کی روزی فراہم کی اس وقت میں مطمئن ہوا۔ زرارہ سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ عبد اللہ بن سبا کے فرزندوں میں سے ایک تفویض کا قائل ہے!آپ نے فرمایا: تفویض سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے محمدؐ و علیؑ کو خلق کیا اس کے بعد سارے امور ان کو تفویض (حوالے) کردیئے، لہٰذا اب یہی لوگ رزق تقسیم کرتے ہیں اور موت و حیات کے مالک ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ وہ دشمن خدا جھوٹ بولتا ہے، جب تم اس کے پاس جانا تو اس آیت کی تلاوت کرنا: (أَمْ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَاءَ خَلَقُوا کَخَلْقِہِ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَ ہُوَ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ[1]) (یا ان لوگوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنھوں نے اس کی طرح کائنات خلق کی ہے اور ان پر خلقت مشتبہ ہوگئی ہے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شی کا خالق ہے وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔ میں واپس گیا اور جو کچھ امام نے کہا تھا وہ پیغام سنا دیا تو گویا وہ پتھر کی طرح ساکت رہ گیا یا بالکل گونگا ہوگیا۔ مفضل راوی ہیں کہ امام صادقؑ نے ہم سے اصحاب خطاب اور غلاۃ کے حوالے سے فرمایا: اے مفضل!ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو ان کے ساتھ کھانا پینا نہ رکھو، ان سے میل جول نہ رکھو، نہ ان کے وارث بنو اور ان کو اپنا وارث بناؤ۔

غلاۃ اور امام موسیٰ کاظمؑ کا موقف!

اپنے آباء و اجداد کی مانند امام موسیٰ کاظمؑ بھی غلاۃ سے دوچار رہے، جنھوں نے ان کے اور ان کے آباء و اجداد کے بارے میں بہت ساری باتیں کیں جن کی تائید الٰہی کلام سے نہیں ہوتی۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے عہد امامت میں خطرناک غلو کرنے والا، محمد بن بشیر تھا یہ امام کا صحابی تھا، پھر غالی ہوگیا یہاں تک کہ امام کی شہادت کے بعد آپ کی ربوبیت کا قائل ہوگیا اور خود کو نبی گردانںے لگا۔

[1] رجال کشی، ج۶، ص۷۷۷

محمد بن بشیر قتل ہوا اور اس کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھا، وہ واقفیہ فرقہ کے افراد کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ میں نے علی بن موسیٰ پر توقف کیا ہے یہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ربوبیت کا قائل اور اپنی نبوت کا مدعی تھا۔

اس کے فاسد عقیدوں کی اتباع لوگوں کے ایک سادہ لوح گروہ نے کی، جس کو اس نے دھوکا دے رکھا تھا اور وہ لوگ محمد بن بشیر کے عقیدہ کی طرف منسوب ہونے کے سبب ''بشیریہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے باطل عقائد میں سے یہ تھا کہ وہ عبادات جو ان پر فرض ہیں اور ان کا ادا کرنا واجب ہے، وہ یہ ہیں: نماز، روزہ، ادائیگی خمس، لیکن زکوٰۃ، حج اور دوسری ساری عبادات ان سے ساقط ہیں۔ یہ لوگ امام کے تناسخ (آواگون) کے قائل ہیں یعنی سارے أئمہؑ کا ایک جسم ہے صرف ایک دوسرے پیکر میں زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ اس نظریہ کے قائل تھے کہ وہ سب چیزوں کے درمیان ایک دوسرے کے شریک ہیں، کھانا، پینا، مال و دولت، عورتیں، یہ لوگ لواط (اغلام بازی) کو مباح جانتے تھے اور اس عقیدہ پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے تھے: (أو یُزَوِّجُهُم ذُکرانًا وَ إناثًا[1]) (یا پھر بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو جمع کردیتا ہے) جب امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت واقع ہوئی تو ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ مرے نہیں ہیں، نگاہوں سے غائب ہوگئے ہیں اور وہ وہی مہدی ہیں، جن کی بشارت دی گئی ہے، انھوں نے امت میں اپنا خلیفہ محمد بن بشیر کو قرار دیا ہے اور ان کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔

کشی نے علی بن حدید مدائنی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابا الحسن اول یعنی امام کاظمؑ سے ایک شخص کو سوال کرتے سنا کہ ''میں نے سنا ہے کہ محمد بن بشیر کہتا ہے کہ آپ موسیٰ بن جعفر نہیں ہیں جو کہ ہمارے امام اور خدا اور ہمارے درمیان حجت ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ امام نے فرمایا: خدا اس پر لعنت کرے (تین بار تکرار کی) خدا اس کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھائے خدا اس کو بری طرح قتل کرے۔ میں نے عرض کی: فرزند رسولؐ میں آپ پر فدا ہوں، جب میں نے آپ کا یہ حکم اس کے بارے میں سنا تو کیا اب اس کا خون ہم پر مباح نہیں ہے جس طرح سے رسول و امام پر سب و شتم کرنے والے کا خون حلال ہے۔

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۵۰

تو آپؑ نے فرمایا :ہاں! خدا کی قسم تم پر اس کا خون حلال ہے اور جو کوئی بھی اس کے حوالے سے یہ بات سنے اس پر بھی اس کا خون حلال ہے۔ میں نے عرض کی: کہ کیا آپ پر سب و شتم کرنے والا نہیں ہے؟آپ نے فرمایا: یہ خدا و رسولؐ و میرے اجداد اور مجھ پر سب و شتم کرنے والا ہے، اس سے بڑھ کر سب و شتم کرنے والا کون ہوگا؟ اور اس پر کون سبقت حاصل کر سکتا ہے؟میں نے عرض کی، اگر میں اس سے برائت میں خوف نہ کروں اور چشم پوشی کرلوں اور اس حکم پر عمل نہ کروں اور اس کو قتل نہ کروں تو آپ کی نظر میں مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔آپ نے فرمایا: تم پر بہت بڑا گناہ ہوگا اور اس کی شدت میں کمی نہیں آئے گی۔

کیا تم نہیں جانتے کہ روز قیامت شہداء میں سب سے بلند پایہ وہ ہوگا جو اللہ و رسولؐ کی مدد کرے گا اور ظاہر و باطن میں خدا و رسولؐ کا مدافع ہوگا[1]۔امام موسیٰ کاظمؑ نے محمد بن بشیر پر لعنت کی ہے اور اس کے حق میں بددعا کی ہے۔ کشی نے علی بن حمزہ بطائنی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابا الحسن موسیٰ سے سنا کہ ''خدا محمد بن بشیر پر لعنت کرے اس کو لوہے کے مزے کو چکھائے اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، خدا اس سے بری ہے او رمیں بھی اس سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، خدایا! جو کچھ ابن بشیر نے میرے بارے میں کہا ہے میں تیرے لئے اس سے برائت کا اظہار کرتا ہوں۔ خدایا! مجھ کو اس سے نجات دے، اس کے بعد فرمایا: ''اے علی! جس کسی نے جان بوجھ کر ہم پر جھوٹ الزام لگانا چاہا ہے خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا ہے۔

ابو مغیرہ بن سعید نے ابو جعفرؑ پر جھوٹا الزام لگایا تھا خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا، ابو خطاب نے میرے باپ پر جھوٹاالزام لگایا تھا، خدا نے اس کو تلوار کا مزہ چکھایا، محمد بن بشیر خدا اس پر لعنت کرے، اس نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا، میں اس سے خدا کی پناہ مانگتاہوں، خدایا! محمد بن بشیر نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے میں اس سے اظہار برائت کرتا ہوں، خدایا! اس کے شر سے محفوظ رکھ، خدایا! محمد بن بشیر رجس نجس سے دور رکھ، شیطان اس کے باپ کے ساتھ اس کے نطفہ میں شریک تھا۔

---

[1] رجال کشّی ، ج۶، ص۷۷۸

خدا نے امام کاظمؑ کی دعا قبول کی، علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ جس بری طرح محمد بن بشیر کو قتل کیا گیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا، خدا اس پر لعنت کرے[1]۔

غلاۃ اور امام رضاؑ کا موقف

غلاۃ سے جنگ اور ان کے باطل عقائد کے بطلان کے سلسلہ میں ان کو برملا کہنے اوران سے لوگوں کو دور رکھنے کے سلسلہ میں امام رضاؑ اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر ہوبہو چلے۔ حسین بن خالد صیرفی سے روایت ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا: ''جو تناسخ (آواگون) کا قائل ہے وہ کافر ہے، اس کے بعد فرمایا: خدا غلو کرنے والوں پر لعنت کرے، آگاہ رہو! کہ یہ یہودی تھے، نصاریٰ تھے، مجوسی تھے، قدریہ، مرجۂ و حروریہ (خوارج) تھے ''۔اس کے بعد فرمایا: ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھو نہ ان سے دوستی کرو، ان سے برائت اختیار کرو، خدا ان سے بری ہے[2]۔امام رضاؑ غلاۃ کو تمام فاسد اور تحریف شدہ ادیان و مذاہب کی بدترین فرد سمجھتے تھے۔ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے ''خدایا! میں تمام قوت و طاقت سے اظہار برائت کرتا ہوں تیرے سوا کوئی قدرت و طاقت نہیں، خدایا! وہ لوگ جنھوں نے ہمارے بارے میں اس بات کا ادعا کیا جس کے ہم حقدار نہیں،ان سے تیری پناہ مانگتے ہیں، خدا وہ بات جس کو ہم نے اپنے بارے میں کبھی نہیں کہا اور لوگ ہماری جانب منسوب کرتے ہیں اس سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ خدایا! امر خلقت تیرا حق ہے، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی مدد چاہتے ہیں، خدایا! تو میرا اور میرے اولین و آخرین آباء و اجداد کا خالق ہے، خدایا! ربوبیت صرف تیرا حق ہے، الوہیت صرف تجھ کو زیب دیتی ہے۔

نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے تیری عظمت کو گھٹایا اور ان لوگوں پر لعنت ہو جنھوں نے تیری عظمت کے خلاف لب کھولے۔ خدایا! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں، خدایا! اپنی جان کے نفع و نقصان پر گرفت نہیں رکھتے، موت

---

[1] رجال کشّی، ج۶، ص۷۷۹
[2] عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۱۸، باب۴۶، حدیث ۲

و حیات اور قبر سے اٹھائے جانے پر ہماری گرفت نہیں۔ خدایا! جن لوگوں نے ہمارے بارے میں خیال کیا کہ ہم خدا ہیں تو ہم ان سے اسی طرح بری ہیں جس طرح عیسیٰ ابن مریم نصاریٰ سے بری تھے۔

خدایا! میں نے ان کے باطل عقائد کی کبھی دعوت نہیں دی، خدایا! ان کی باتوں کے سبب مجھ سے بازپرس نہ کرنا اور وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں اس کے سبب ہماری مغفرت فرما، (رَبِّ لاتذَر علٰی الأرضِ مِن الکافِرین دَیّاراً ، إنکَ إن تذَرہم یُضلّوا عِبادَکَ وَ لایلِدُوا إلا فَاجراً کفاراً[1]) (پروردگار! اس زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑنا کہ تو اگر انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر و کافر کے علاوہ کوئی اولاد بھی نہ پیدا کریں گے)۔ ابو ہاشم جعفری سے روایت ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے غلاۃ اور مفوضہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: غلاۃ کفار ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں، جو کوئی بھی ان کے ساتھ رفت و آمد رکھے، کھانا پینا رکھے، صلۂ رحم کرے، شادی کرے، یا ان کی لڑکی اپنے گھر میں لائے، یا ان کی امانت رکھے، یا ان کی باتوں کی تصدیق کرے، یا صرف کسی ایک کلمہ سے ہی ان کی مدد کرے، وہ اللہ و رسولؐ اور ہم اہلبیتؑ کی ولایت سے خارج ہو جائے گا[2]۔ امام رضاؑ نے غلاۃ کے اصل ظہور کی اہم علت کو بتایا، ابراہیم بن ابی محمود نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے: اے ابن ابی محمود! ہمارے مخالفوں نے ہماری فضیلت میں روایات گھڑھی اوران کی تین قسمیں ہیں، ا. غلو ۲. ہمارے امر میں کمی، ۳. ہمارے دشمنوں کی عیب جوئی، جب ہمارے بارے میں لوگوں نے غلو کو سنا تو ہمارے چاہنے والوں کی تکفیر کی اور ان لوگوں نے ہمارے شیعوں کی جانب ہماری ربوبیت کے قائل ہونے کی نسبت دی، جب ہماری کمی کو سنا تو اس کے معتقد ہوگئے اور جب ہمارے دشمنوں کی عیب جوئی سنی تو انھوں نے ہم کو نام بنام دشنام دیا۔

[1] اعتقادات شیخ صدوق، ص۹۹، سورۂ نوح، آیت ۲۷۔ ۲۶
[2] عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۱۹، باب ۴۶، حدیث ۴

خدا نے فرمایا: (وَ لاتَسُبّوا الَّذِین یدعُون مِن دُونِ اللہِ فَیَسُبّوا اللہ عَدواً بِغَیرِ عِلمٍ[1]) (اور خبردار تم لوگ انھیں برا بھلا نہ کہو جن کو یہ لوگ خدا کہہ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ دشمنی میں بغیر سوچے سمجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔اے ابن ابی محمود! جب لوگ ادھر ادھر کے نظریات کے معتقد ہو جائیں تو اس وقت تم ہمارے راستے پر قائم رہنا اس لئے کہ جو ہمیں اپنائے گا ہم اس کو اپنائیں گے اور جو ہم کو چھوڑ دے گا ہم اس کو چھوڑ دیں گے[2]۔امام رضاؑ نے واضح کردیا کہ غلاۃ کس طرح عام شیعوں کی جانب غلو منسوب کرنے کا سبب ہوئے، اسی سبب ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر فرقوں کے مولفین، غلو کے صفات کو مطلقاً شیعوں اور خصوصاً امامیہ کی جانب نسبت دیتے ہیں، وہ لوگ ان احادیث پر بھروسہ کرتے ہیں جن کو غلاۃ نے لوگوں کے درمیان رائج کر رکھا تھا لہٰذا اہل سنت افراد نے یہ سمجھ لیا کہ یہ روایات شیعہ طریقوں سے وارد ہوئیں ہیں اور غلو کو شیعوں کی جانب منسوب کردیا۔جیسا کہ بعض مولفین بالکل فاش غلطی کے شکار ہوگئے اور تجسیم و تشبیہ کی نسبت شیعوں کی طرف دے بیٹھے، جبکہ ہم نے اصول عقائد شیعہ میں اس بات کی مکمل وضاحت کردی ہے اور توحید کی بحث میں یہ بات کہی ہے کہ تشبیہ و تجسیم کے سلسلہ میں شدید مخالف ہیں اور خدا کو ان سب چیزوں سے بہت دور جانا ہے۔امام رضاؑ نے اپنے اس آنے والے قول میں اس بات کی اور وضاحت کردی ہے۔آپ نے فرمایا: جن لوگوں نے تشبیہ اور جبر کی باتوں کو گڑھ کر ہم شیعوں کی جانب منسوب کردیا ہے وہ غلاۃ ہیں جنھوں نے عظمت پروردگار کو گھٹایا ہے، جو ان لوگوں سے محبت کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے جو ان سے نفرت کرے گا وہ ہمارا محبوب ہے، جو ان سے لگاؤ رکھے گا وہ ہمارا دشمن ہے، جو ان کو دشمن ہے وہ ہمارا چاہنے والا ہے، جو ان سے صلۂ رحم کرے وہ ہم سے جدا ہوگا، جو ان سے جدا ہوگیا وہ ہم سے مل گیا، جس نے ان سے جفا کی اس نے ہمارے ساتھ حسن رفتار کیا، جس نے ان کے ساتھ حسن رفتار کیا گویا اس نے ہم پر جفا کی، جس نے ان کا اکرام کیا اس نے میری توہین کی، جس نے ان کی توہین کی اس نے میری عزت کی، جس نے ان کو قبول کیا اس نے ہماری تردید کی اور جس نے ان کی تردید کی اس نے ہم کو قبول کیا، جس نے ان کے ساتھ حسن رفتار کیا اس نے ہمارے ساتھ سوء ادب سے کام لیا،

---

[1] سورۂ انعام، آیت ۱۰۸
[2] عیون اخبا رالرضا ج۲، ص۲۷۲، باب ماکتبہ الرضا ، حدیث ۶۳

جس نے ان سے بد خلقی سے برتاؤ کیا اس نے ہمارے ساتھ خوش خلقی کی، جس نے ان کی تصدیق کی اس نے ہم کو جھٹلایا اور جس نے ان کو جھٹلایا اس نے ہماری تصدیق کی، جس نے ان کو عطا کیا گویا ہم کو محروم کردیا، اور جس نے ہم کو عطا کیا گویا ان کو محروم کیا، اے ابن خالد، جو بھی ہمارا شیعہ ہوگا کبھی بھی ان کو اپنا ولی و مددگار قرار نہیں دے گا[1]۔

غلاۃ اور امام علی بن محمد ہادیؑ کا موقف!

امام ہادیؑ بھی غلاۃ کے اس گروہ سے دوچار ہوئے جو ائمہ کی ربوبیت و الوہیت کے قائل تھے، اور ان کے زمانے کے غلاۃ کا سردار محمد بن نصیر غیری تھا، اور نصیری فرقہ اسی جانب منسوب ہے، اور ایک قلیل گروہ نے اس فرقہ کی پیروی کی ہے، جن میں نمایاں فارس بن حاتم قزوینی اور ابن بابا قمی ہے۔ کشی نے لکھا ہے کہ: ایک فرقہ محمد بن نصیر غیری کی رسالت کا قائل ہے اور وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی و رسول ہے اور اس کو علی بن محمد ہادی نے رسالت بخشی ہے، حضرت امیر کے بارے میں تناسخ کا قائل تھا اور غلو کرتا تھا اور اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ ان میں ربوبیت پائی جاتی ہے۔

وہ کہتا تھا کہ: تمام محارم مباح ہیں، مرد کا مرد کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے وہ اس نظریہ کا موجد و قائل تھا کہ فاعل و مفعول دونوں لذات میں سے ایک ہیں اور خدا نے ان میں سے کسی ایک کو حرام نہیں قرار دیا۔ محمد بن موسیٰ بن حسن بن فرات اس کے نظریہ کی حمایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ بعض لوگوں نے محمد بن نصیر کو علی الاعلان اغلام بازی کی کیفیت میں دیکھا ہے اور اگر اس کے غلام نے اس فعل سے انکار کیا تو اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ یہ لذتوں سے ایک ہے! یہ درحقیقت خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے اور جبر و رکاوٹ کو ختم کرنا ہے۔ نصر بن صباح کہتے ہیں کہ: حسن بن محمد معروف بہ ابن بابا، محمد بن نصیر غیری، فارس بن حاتم قزوینی، ان تینوں پر امام علی نقیؑ نے لعنت بھیجی ہے۔

---

[1] عیون اخبار الرضا ، ج۲، ص۱۳۱۔ ۱۳۰، حدیث ۴۵

ابو محمد فضل بن شاذان نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن باباء قمی مشہور جھوٹوں میں سے تھا۔ سعد کہتے ہیں کہ مجھ سے عبیدی نے بتایا کہ ابتدائے دور میں امام علی نقی نے میرے پاس ایک خط لکھا کہ ''میں فہری، حسن محمد بن بابا قمی، ان دونوں سے اظہار برائت کرتا ہوں لہٰذا تم بھی ان دونوں سے بیزار ہو جاؤ، میں تم کو اور اپنے چاہنے والوں کو ان دونوں سے خبردار کرتا ہوں، ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو یہ ہمارے نام پر لوگوں سے کھا رہے ہیں، یہ دونوں اذیت دینے والے اور فتنہ پرور ہیں خدا ان دونوں کو اذیت دے، خدا ان دونوں کو فتنہ کی رسّی میں جکڑ دے، ابن بابا (قمی) یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے اس کو نبوت دی ہے اور وہ رئیس ہے اس پر خدا کی لعنت ہو، شیطان نے اس کو مسخر کر کے اس کا اغوا کر لیا ہے، اس پر بھی خدا کی لعنت ہو جو ان کی باتوں کو قبول کرے۔ اے محمد! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ پتھر سے اس کا سر کچل دو تو ایسا کر گذرو کیونکہ اس نے مجھ کو اذیت دی ہے، خدا اس کو دنیا و آخرت میں اذیت دے[1]'' کشّی نے ابراہیم بن شیبہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے امام علی نقی کو خط لکھا کہ ''آپ پر ہماری جان فدا ہو، ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو آپ کی فضیلت کے سلسلے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں جن کے سبب دل ٹیڑھے اور سینہ تنگ ہوگیا ہے اور اس حوالہ سے حدیث بھی بیان کرتے ہیں ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے ہیں جب تک کہ تائید الٰہی نہ ہو اور ان کی تردید بھی مشکل امر ہے کیونکہ ان کی نسبت آپ کے آباء و اجداد کی جانب ہے لہٰذا ہم لوگوں نے ان حدیثوں پر توقف کیا ہے۔ وہ لوگ اس قول خدا (إِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنہیٰ عَنِ الفَحشَاءِ وَ المُنکَرِ[2]) اور (وَ أَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَ آتُوا الزَّکٰوۃَ[3]) کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ ہی رکوع کرے اور نہ سجدہ، اور زکٰوۃ کے بارے میں بھی یہی نظریہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں نہ ہی درہموں کی تعداد ہے اور نہ ہی مال کی ادائیگی مراد ہے، اور اسی طرح واجبات و مستحبات اور منکرات کے بارے میں کہتے ہیں کہ اور ان سب کو اسی حد تک بدل ڈالا ہے جس طرح میں نے آپ سے عرض کی۔ اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کے چاہنے والے ان خرافات سے سلامت رہیں جو ان کو ہلاکت و گمراہی کی جانب لے جا رہی ہیں '' وہ لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اولیاء

---

[1] رجال کشّی، ج۶، ص ۸۰۵، شمارہ ۹۹۹
[2] سورۂ عنکبوت، آیت ۴۵
[3] سورۂ بقرہ، آیت ۴۳

(الٰہی) ہیں اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں'' ان میں سے علی بن حسکہ، اور قاسم یقطینی ہیں، ان ان لوگوں کی باتوں کو قبول کرنے کے سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟۔

امام ؑنے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اس کا ہمارے دین سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا اس سے پرہیز کرو[1]۔ سہل بن زیاد آدمی راوی ہیں کہ ہمارے دوستوں نے امام علی نقی ؑکے پاس خط لکھا: اے میرے مولا و آقا! آپ پر ہماری جان فدا ہو، علی بن حسکہ آپ کی ولایت (نیابت) کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ آپ ؑاول و قدیم ہیں اور وہ آپ کا نبی نمائندہ ہے اور آپ نے لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا ہے، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ نماز، حج، زکوٰۃ، اور یہ سب کے سب آپ کی حقیقت و معرفت ہیں اور ابن حسکہ کی نبوت و نیابت جس کا وہ مدعی ہے اس کو قبول کرنے والا مومن کامل ہے اور حج و زکوٰۃ و روزہ جیسی عبادات اس سے معاف ہیں، اور شریعت کے دیگر مسائل اور ان کے معانی کو ذکر کیا ہے جو آپ کے لئے ثابت ہو چکا ہے اور بہت سارے لوگوں کا میلان بھی اس جانب ہے، اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو کرم فرما کر ان کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ آپ کے چاہنے والے ہلاکت سے بچ سکیں۔ امام ؑنے جواب میں تحریر فرمایا: ابن حسکہ جھوٹ بولتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو، تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ میں اس کو اپنے چاہنے والوں میں شمار نہیں کرتا، اس کو کیا ہوگیا ہے؟! اس پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا کی قسم خدا نے محمد اکرمؐ اور ان سے ما قبل رسولوں کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ دین نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت ان کے ہمراہ تھی، خدا نے خدا کی وحدانیت کے سوا کسی چیز کی دعوت نہیں دی اور وہ خدا ایک و لاشریک ہے، اسی طرح ہم اوصیاء (الٰہی) اس بندہ خدا کے صلب سے ہیں کبھی خدا کا شریک نہیں مانتے مگر ہم نے رسول ؐکی اطاعت کی تو خدا ہم پر رحمت نازل کرے اور اگر ان کی خلاف ورزی کی تو خدا عذاب سے دوچار کرے، ہم خدا کے لئے حجت نہیں ہیں بلکہ خدا کی حجت ہم اور تمام مخلوقات عالم پر ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ان سے خدا

[1] کشی ، ج۶، ص۸۰۳

کی پناہ چاہتے ہیں اور اس قول سے دوری اختیار کرتے ہیں خدا ان پر لعنت کرے ان سے دوری اختیار کرو، ان پر عرصۂ حیات تنگ کردو اور ان کو کبھی گوشۂ تنہائی میں پاؤ تو پتھر سے ان کا سر کچل دو[1]۔

ان باتوں سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دینی فرائض جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، وغیرہ سے فرار کرنا غلو کی ایک قسم ہے۔ امام صادقؑ نے غلاۃ کی بدنیتی کو اس وقت واضح کردیا تھا جب آپ کے اصحاب میں سے کسی نے لوگوں کے اس قول کے بارے میں سوال کیا تھا کہ ''حضرت امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے اور انھوں نے لوگوں پر اپنے امر کو پوشیدہ رکھا...'' یہ ایک طویل حدیث ہے، یہاں تک اس صحابی نے امام سے سوال کیا، اے فرزند رسولؐ آپ کے شیعوں میں سے کچھ لوگ جو یہ خیال رکھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ لوگ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہیں، میں ان سے اظہار برائت کرتا ہوں، انھوں نے عظمت الٰہی کو چھوٹا کر کے پیش کیا اور اس کی کبریائی کا انکار کیا وہ مشرکت و گمراہ ہوگئے ہیں وہ لوگ دینی فرائض سے فرار اور حقوق کی ادائگی سے دور ہیں۔ ان سب (کلمات) سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ائمۂ کرام نے غلو اور غلاۃ کے خلاف کتنی سخت اور فیصلہ کن جنگ کی ہے، اور ان کی بدنیتی اور ناپاک ارادوں سے نقاب کشائی کی ہے، اور اپنے شیعوں کو ان سے دور رکھا ہے جیسا کہ امام صادقؑ نے اپنے چاہنے والے کو نصیحت کی ہے، آپ فرماتے ہیں: ''اپنے جوانوں کو غلاۃ سے دور رکھو! کہیں ان کو برباد نہ کردیں، کیونکہ غلاۃ مخلوقات الٰہی کے لئے ایک قسم کے شر ہیں انھوں نے عظمت الٰہی کو گھٹایا ہے، اور بندگان خدا کی ربوبیت کا دعویٰ کیا ہے، خدا کی قسم غلاۃ، یہود و نصاریٰ و مجوس و مشرکین سے بدتر ہیں....اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اگر غلو کرنے والا ہماری طرف رجوع کرے تو اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے لیکن اگر ہماری شان کم کرنے والا اگر ہم سے (توبہ کے بعد) ملحق ہونا چاہے تو اس کو قبول کرلیں گے، کہنے والے نے آپؑ سے کہا کہ ایسا کیسے؟۔ تو آپ نے فرمایا: اس لئے کہ غلو کرنے والا نماز و روزہ و حج و

[1] کشی، ج۶، ص۸۰۴

زکوٰۃ کے ترک کی عادت ڈال چکا ہے لہٰذا وہ اس عادت کو چھوڑ نہیں سکتا اور خدا کی بندگی و اطاعت کی طرف کبھی بھی پلٹ کر نہیں آسکتا، لیکن مقصر (کمی کرنے والا) جب حقیقت کو درک کرلے گا تو عمل واطاعت کوانجام دے گا۔

وہ خطوط جن کو بعض افراد ائمۂ کرام کے پاس غلاۃ کے سلسلہ میں ائمہ کا موقف جاننے کے لئے ارسال کرتے تھے اور ان کی باتوں کو امام کے سامنے پیش کرتے تھے اور شیعوں میں ان کے افکار کے فروغ و انتشار سے کبیدہ خاطر تھے، یہ تمام خط و کتابت اس لئے تھی کہ وہ مخلص شیعہ حضرات غلاۃ کی ناپاک فکروں سے دین کی حفاظت چاہتے تھے اور یہ افراد غلاۃ کے مد مقابل پورے اعتماد کے ساتھ کھڑے تھے ان سے مناظرہ کرتے تھے اور اکثر ان کو محکم دلیلوں سے خاموش بھی کرتے تھے اور انھوں نے ان غلاۃ کا بائیکاٹ کرنے میں اپنے اماموں کے حکم کی مکل اطاعت کی ہے، جب کہ وہ دور عصبیت کا دور تھا اور ظالم و جابر سلاطین کا ظلم زوروں پر تھا اور انھوں نے ان (شیعوں) پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔

ان شیعوں کے فرائض میں یہ تھا کہ اپنے دین، عقیدہ کا دفاع کریں اور اسلام کی حمایت ان انحرافات سے کریں جو غلاۃ کی صورت وجود میں آئے تھے اور لوگوں کو ان سے دور رکھیں، خود ان پر کڑی نظر رکھیں، ان کے جھوٹ، خرافات اور عیبوں کو برملا کریں۔ اور یہ سب اس وقت میں کرنا تھا جب ان غلاۃ کے خلاف حد کافی قدرت و طاقت نہیں رکھتے تھے، ان کے پاس اس حد تک آزادی بھی نہیں تھی کہ حقیقی اسلام کے عقائد کی تعلیم دے سکیں، جبکہ اس وقت اُموی، عباسی، اور دیگر فرقہ غلو کے نظریات اور انحرافات کو مسلمانوں کے درمیان دھڑلے سے پھیلا رہے تھے۔ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار کے رحم و کرم کے ہمراہ شیعوں کی انتھک کوششیں اور اسلام حقیقی کی دفاع میں أئمہ کرام کی ناقابل شکست جنگیں رنگ لائیں اور اسلام انحرافاتی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہا۔

پانچویں فصل

حقیقت تشیع

اسلامی فرقوں میں شیعہ کی مانند کسی فرقہ کو طعن و تشنیع کا مرکز نہیں بنایا گیا اور اس کے کچھ اسباب تھے جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ روز و شب کی گردش کے ساتھ ہمیشہ ان انحرافی نظریات کے مد مقابل رہا تھا جن کی بنیاد عالم اسلام پر قابض حکومتوں نے رکھی تھی اور ان حکومتوں نے اپنے تئیں اپنے تمام تر وسائل کو اس فرقہ کے خلاف استعمال کیا اور ان کو مسلمانوں کے سامنے اس طرح پیش کرنے کی انتھک کوشش کی کہ یہ فرقہ حق سے منحرف ہے، اور اس کو مبتدعہ (بدعتی فرقہ) کے نام سے مشہور کیا گیا۔ دوسری طرف شیعہ حضرات کا اہل بیتؑ کی جانب جھکاؤ اور دوسروں کے بجائے ان کی تعلیم سے کسب ہدایت تھی، اور اہل بیت نبوی کی محبت و احترام میں تنہا تھے اور اسلامی معاشرہ اس میں شریک نہیں تھا۔

یہ حکومتیں اس بات سے خائف تھیں کہ اہل بیتؑ کی تعلیم مسلمانوں کے درمیان رشد نہ کریں جو کہ اکثر ان انحرافی تعلیمات کی بھینٹ چڑھ گئیں جن کو ظالم حکومت نے رائج کیا تھا اور وہ جعلی حدیثیں جن کو رسول اکرمؐ کی جانب منسوب کیا تھا ان ظالم حکومتوں کی کوشش اس بات کے اظہار پر تھی کہ یہ اسلامی تعلیمات ہیں جن کو اسلامی حکومت نے مرتب کیا ہے، لہٰذا یہ اس بات کا لازمہ بنا کہ وہ شیعوں کے مد مقابل کھڑے ہوں اور شیعوں کو مسلمانون کے درمیان ان کی انقلابی فکروں کی تعلیم سے روکیں۔

لہٰذا اس حکومت کے پاس اس فرقہ کے لئے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے وسائل کو استعمال کرے جو ان کی باتوں کو روک سکے اور لوگوں کو اس بات سے نفرت دلائے کہ ان کے باطل عقائد اسلام حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے یا اس کو اسلامی اور عربی معاشرہ میں ایک اجنبی فرقہ کے نام سے مشہور کرے ہم ان کے مختلف نظریات کو پیش کریں گے جو کہ اصل تشیع کے سلسلہ میں ہے ان کا اصل مقصد صرف اتنا تھا کہ حقائق کو مخدوش کردیں اور حقیقی چہرہ پر پردہ ڈال دیں تاکہ لوگ اس تک پہنچ نہ سکیں۔

اصول کا یہودی شبہ

شیعیت پر خطرناک تہمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اصل و اساس یہودیت سے منشعب ہوتی ہے اور اس کی جڑ عبد اللہ بن سبا، یہودی کی ہے، جس نے آخری دنوں میں اسلام کا تظاہر (دکھاوا) کیا تھا اور اس کا نظریہ اس کے شہر سے نکل کر حجاز، شام، عراق، مصر، تک پہنچا اور اس کے باطل عقائد مسلمانوں کے درمیان سرایت کر گئے جس کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ علیؑ نبی کے وصی تھے۔ فریدی وجدی کہتا ہے کہ: ابن سوداء (عبد اللہ بن سبا) درحقیقت یہودی تھا اس نے اسلام کا تظاہر کیا اور اس بات کا خواہاں تھا کہ اہل کوفہ کا محبوب و سردار رہے، لہٰذا اس نے ان لوگوں کے درمیان یہ بات کہی کہ اس نے توریت میں دیکھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی رہا ہے اور محمدؐ کے وصی علیؑ ہیں۔

یہ روایت درحقیقت طبری کی ہے[1] اور سیف بن عمر کے ذریعہ نقل ہوئی ہے، جس کی عدالت محدثین کی نظر میں شدت کے ساتھ ناقابل قبول ہے[2]۔ طبری کے بعد آنے والے مورخین نے اس کو نقل کیا اور یہ روایت شہرت پا گئی اور جدید و قدیم فرقوں کے مولفین نے اس پر اندھادندھ بھروسہ کیا اور دقت و تفحص سے بالکل کام نہیں لیا۔ ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح نہیں ہے[3]۔

مولفین حضرات نے اس جانب بالکل توجہ نہیں کی اور صدیوں کے ساتھ اس کے سایہ تلے چلتے رہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: جب دشمنان اسلام اس دنیا کی قوت، نفاذ حکومت اور سرعت رفتار سے مبہوت ہوگئے تو حیران و سرگردان صورت میں کھڑے ہوگئے

---

[1] تاریخ طبری، ج۳، ص۳۷۸، ۳۵ھ سنہ کے واقعات

[2] ابن معین نے کہا ہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے اور ایک جگہ کہا ہے کہ اس میں خیر و برکت نہیں۔
ابوحاتم نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے اور اس کی حدیثوں کو واقدی کی حدیثوں سے تشبیہ دی ہے۔
ابوداؤد نے کہا کہ: یہ حقیقت نہیں رکھتی، نسائی اور دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔
ابن عدی نے کہا کہ: اس کی بعض حدیثیں مشہور ہیں اور عام طور وہ ناقابل قبول ہیں اور ان کی کوئی پیروی نہیں کرتا۔
ابن حبان نے کہا کہ: یہ بات ثابت ہے کہ وہ جعلی حدیثیں بیان کرتا تھا اور کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ حدیث گڑھتا تھا۔ابن حجر نے ابن حبان کے بقیہ کلام کو یوں نقل کیا ہے کہ: ''اس پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا''
برقانی نے دار قطنی کے حوالہ سے کہا ہے: کہ وہ متروک ہے۔حاکم نے کہا کہ: اس پر ملحد ہونے کا الزام تھا، راوی کے اعتبار سے وہ ساقط الاعتبار ہے، تہذیب التہذیب، ج۴، ص۱۶۰۔ ۲۵۹

[3] لسان المیزان، ج۳، ص۲۸۹، عبد اللہ بن سبا کی سوانح حیات

اس وقت ان کے پاس تلوار کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرنے کی قوت نہیں تھی لہٰذا انھوں نے دوسرا حیلہ حربہ اور مکر کا استعمال کیا اور وہ تھا اسلام میں نفاق کا نفوذ و دخول، اور اندر سے اسلام کی بیخ کنی اور فتنہ کے ذریعہ اسلامی وحدت میں پھوٹ ڈالنا۔ جس نے اس بات کی فکر و تدبیر اپنائی پھر اس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا وہ عبد اللہ بن سبا اور کے پیرو کار تھے[1]۔

ان دو اہم صورتوں کی جانب توجہ ضروری ہے جو عبد اللہ بن سبا کی شخصیت کو واضح کرتی ہیں:۱۔ دائرۂ اسلام میں برپا ہونے والے فتنوں کو اس کی جانب نسبت دینا۔

۲۔ خلیفۂ سوم عثمان بن عفان کے دور حکومت میں پیدا ہونے والی مشکلات کو اس کے سر مڈھنا جس کی اصل و اساس طبری کی روایت ہے جو ابھی ذکر ہوئی ہے اور ابن سبا کو خیالی کردار عطا کرتی ہے اور نیک صحابہ کی ایک بڑی تعداد کو اسلام کا لبادہ اوڑھے اس یہودی کا تابع قرار دیتی ہے جبکہ دوسرا رخ یہ فرض کرتا ہے کہ عبد اللہ بن سبا، خیالی شخص ہے کیونکہ طبری کی اس سے نقل کردہ یہ روایت ضعیف ہے۔

بعض تاریخوں نے اس کے وجود کا اعتراف کیا ہے لیکن اس شخصیت کی طرف نسبت دیئے جانے والے عظیم کردار کا انکار کیا ہے، کیونکہ منابع میں موجود روایات اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ اس شخص کا وجود حضرت امیر کے دور خلافت میں ہوا اور اس نے آپؑ کی شان میں اس حد تک غلو کیا کہ آپ کو خدا جانا، اور اس انحرافی عقیدہ میں اس کے کچھ پیرو کار بھی مل گئے لیکن اس کی یہ تحریک اس درجہ اہمیت کی حامل نہ تھی جس طرح بعض مورخین و محققین نے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے پیش کیا۔ اگر عبد اللہ بن سبا اتنی اہمیت کا حامل ہوتا تو اہل سنت کی احادیث کی کتابیں خاص طور سے صحاح اس بات کی جانب ضرور اشارہ کرتیں جبکہ یہ کتابیں اس کے تذکرے سے خالی ہیں۔ بعض مستشرقین و سیرت نگاروں نے اس بات کو بھانپ لیا کہ ابن سبا کے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے کچھ سیاسی مقاصد تھے تاکہ شیعوں سے بدلہ لیا جا سکے۔ فلھوزن کہتا ہے کہ: سبئیہ کا لقب صرف شیعوں کے لئے

[1] الصارم المسلول، ج۱، ص۲۴۶

بولا جاتا تھا، لیکن اس کا دقیق استعمال صرف شیعہ غلاۃ کے لئے صحیح ہے، جبکہ ذم (مذمت) کا لفظ شیعہ کے تمام گروہ پر برابر سے صادق آتا ہے[1]۔ ڈاکٹر محمد عمارہ کہتے ہیں: کہ جو ہمارے موضوع، یعنی تشیع کی نشو و نما کی تاریخ سے مربوط ہے (اس سلسلہ سے عرض ہے) کہ عبد اللہ بن سبا کا وجود (اگر اس نام کا شخص تھا) تو اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ شیعیت اس کے دور میں وجود میں آئی[2] اور شیعوں نے اس سے اس طرح کی کوئی چیز نقل نہیں کی ہے، لہذا یہ بات کہنا بالکل درست نہیں کہ شیعوں کے معروف فرقہ کی نشو و نما اس کے زمانے میں ہوئی[3]۔

مشکل یہ ہے کہ ابن سبا کا قضیہ جمہوری عقائد میں ٹکڑوں میں بٹ گیا اور جس کے وجود کے سبب سیاست متاثر ہوئی۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ سعودی رسالوں کے صفحات پر بڑی گھمسان نظریاتی جنگ ہوئی ہے، جیسے صحیفۂ ریاض وغیرہ...

اساتذہ اور سیرت نگاروں کے بارے میں خیالی ابن سبا کے موضوع پر بڑی رد و قدح ہوئی ہے، ایک طرف اس بیچ ہونے والی بحثوں کا مقصد غیر منصف سیرت نگاروں کا شیعی عقائد کو اس کی طرف منسوب کرنا تھا تو دوسری جانب بعض انصاف پسند سیرت نگاروں نے ابن سبا کے مسئلہ کو جمہوری عقائد کا جزء تسلیم کیا ہے۔

ڈاکٹر حسن بن فہد ہویمل کہتے ہیں: کہ ابن سبا کے سلسلہ میں تین نظریات ہیں: سطح اول: اسلام کے سادہ لوح مورخین کے نزدیک اس کا وجود ہے اور اس کا زمانہ فتنہ و فساد کا عروج تھا۔ مستشرقین اور متاخر شیعہ اس کے وجود کے منکر ہیں اور اس کے کردار کے منکر ہیں، میں نے جو متأخر شیعہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ متقدم شیعوں نے ابن سبا کے وجود کا انکار نہیں کیا، ہرچند کہ اس کے بعض کردار کے مخالف ہیں۔ سطح دوم: وہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا کے وجود کا اثبات اور فتنہ انگیزی میں اس کے کردار کو کم گردانا، اس بابت میں بھی اس کی طرف رجحان رکھتا ہوں۔ ڈاکٹر ہلابی اور ان کے بعد حسن مالکی اس

[1] الخوارج والشیعہ، ص ٢٨
[2] (جب کہ آپ جان چکے ہیں کہ شیعیت کا وجود حیات رسول ؐمیں تھا
[3] الخلافہ و النشاۃ الاحزاب السیاسیہ، ص ١٥٥

شخصیت کے سختی سے منکرین افراد میں شمار ہوتے ہیں اور ان دونوں کی تحریروں پر جہاں تک میری نظر ہے اور اس کی من گڑھت شخصیت کے بارے میں میرا نظریہ جو قائم ہوا ہے وہ ان دونوں کے خلاف ہے اور میں اس کی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے شخصیت کی بیخ کنی در حقیقت بہت ساری چیزوں کی بنیادوں کو ختم کرنا اور مٹانا ہے جو بزرگ علماء کے آثار میں موجود ہے، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن حجر، ذہبی اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء اسلام۔ اس لئے کہ عبد اللہ ابن سبا، یا ابن سوداء نے ایک عقیدتی مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور اگر قبول کیا جائے تو دیگر مواقف بھی معرض وجود میں آتے ہیں لیکن ہم ایسے زلزلہ سے دوچار ہیں جو بہت ساری عمارتوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے[1]۔

یہاں سے عبد اللہ بن سبا کا وجود اور اس کا افسانوی کردار بعض کے نزدیک عقائدی وجود کا حامل ہے۔ ابن سبا کے وجود کی بناء پر اس عظیم میراث کی قداست محفوظ ہو جاتی ہے چاہے ابن سبا کا وجود رہا ہو یا نہ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا کا مسئلہ در اصل شیعہ مخالف افراد کے پاس ایک ہتھکنڈہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس کے ذریعہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اس ابن سبا کی طرف منسوب کر دیں۔

اہل فارس کا شبہ

یہ بات واضح و روشن ہے کہ بنی امیہ کی حکومت خالص عربی تھی جس کی سیاست یہ تھی کہ نو مسلم افراد کو دور سرحدوں کی جانب شہر بدر کر دیں اور عربوں کو ان نو مسلموں پر ہر چیز میں برتری دیں، اپنے دشمنوں پر عجم ہونے کا الزام لگاتی تھی وہ بھی نفسیاتی جنگ کا ایک ایسا حربہ تھا جس کو اس حکومت نے اختیار کر رکھا تھا اور یہ ایک صدی تک استعمال کیا جاتا رہا جس کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہنوں میں نو مسلموں عجم اور فاقد استعداد ہونے کی فکر راسخ ہوگئی۔ شیعہ موجودہ حکومت کے اہم حزب مخالف تھے اوران کے عقائد کے پھیلنے کے سبب اموی حکومت خطرہ میں پڑ رہی تھی، کیونکہ اس حکومت کے ذرائع ابلاغ نے ابن سبا کے ذریعہ شیعوں کی

[1] صحیفة الریاض، ص ۴، ربیع الاول ۱۴۱۸ھ ـــ.

جانب یہودی عقائد منسوب کرنے کے الزام پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ انھوں نے یہ بات پھیلانے کی کوشش کی کہ در حقیقت شیعی عقائد ملک فارس کو فتح کرنے کے بعد ان کے عقائد شیعوں میں سرایت کر گئے ہیں۔بعض معاصر مباحثین نے اس بات پر بہت زور آزمائی کی ہے بلکہ بسا اوقات حد سے بڑھ گئے اور یہودی و ایرانی عقائد کے درمیان جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

احمد عطیۃ اللہ کہتے ہیں: سبیئہ کی تعلیمات شیعی عقائد سے منسوب ہوتے ہیں جن کی اصل یہودیت ہے اور یہ فارس سے متاثر ہیں اس فرقہ کا سرغنہ یمنی الاصل یہودی ہے، جبکہ ایرانیوں نے جزیرۃ العرب کے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا تھا اس وقت کچھ ایرانی عقائد ان کے درمیان رائج ہوئے اس وجہ سے سبیئہ فرقہ کو ایران کے ہمسایہ عراق میں کچھ ہی خواہ مل گئے۔ دوسری جگہ کہتا ہے: (الحق الالٰہی) یہ نظریہ ایران سے سبیئہ کی جانب بطور خاص اور شیعہ میں بطور عموم سرایت کر گیا ،وہ یہ ہے کہ نبی کے بعد حضرت علیؑ ان کے وصی و خلیفہ ہیں اور حضرت علیؑ نے امامت کے مسئلہ میں خدا کی مدد طلب کی اور یہ حق علیؑ سے منتقل ہوکر اہل بیتؑ تک بطور میراث پہنچا ہے[1]۔

اس محقق نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اہل بیتؑ کی میراثی امامت اور فارس کی وہ افکار جو لوگوں میں سرایت کر گئیں ہیں ان کے بیچ ایک ربط دے، اس لئے کہ یہ بات بالکل قطعی ہے کہ ایرانی میراثی حکومت کے قائل تھے اور اسی نظریہ کی تائید بے شمار محققین اور بعض شرق شناسوں نے کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس نظریہ پر غور و فکر کیا جائے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس نظریہ پر اموی حکمرانوں نے عمل کیا ہے، اس لئے کہ انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو جائے جس کو اولاد باپ داداؤں سے میراث میں پائے اوراموی حکومت تو خالص عربی حکومت تھی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ لہٰذا ان کا فارس کی تقلید کرنا بالکل ناممکن تھا اس بنا پر اس نظریہ کو شیعوں کی جانب زبردستی منسوب کرنا اور بھی نامعقول ہے، بلکہ محال ہے کیونکہ تشیع خالص عربی ہے جس کو ہم عنقریب ثابت کریں گے بعض محققین نے اس نظریہ کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے کہ

---

[1] القاموس العربی، ج٣، ص٢٤٩

شروع کے اکثر شیعہ ایرانی تھے۔شیخ محمد ابو زہرۃ کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ جس کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیعہ ملوکیت اور اس کی وراثت کے سلسلہ میں ایرانیوں سے متاثر ہیں ان کے مذہب ایرانی ملوکیتی نظام کے درمیان مشابہت بالکل واضح ہے اور اس بات پر گواہ یہ ہے کہ اس وقت اکثر ایرانی شیعہ ہیں اور شروع کے سارے شیعہ ایران کے رہنے والے تھے[1]۔یہ بات کہ اس وقت اکثر اہل ایران شیعہ ہیں تو یہ صحیح ہے لیکن ابوزہرہ شاید یہ بات بھول گئے کہ بیشتر ایرانی آخری دور خاص طور سے صفوی حکومت کے دروان دائرۂ تشیع میں داخل ہوئے ہیں۔ اور یہ بات کہ شروعات کے سارے شیعہ ایرانی تھے تو یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ یہ بات تاریخ کے مطالعہ سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت کے بیشتر شیعہ خالص عرب تھے اور اس بات کو متقدمین مولفین نے قبول و ثابت کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایران کے بعض علاقہ شیعہ نشین تھے اوران کی سکونت کی شروعات شہر قم سے ہوئی، جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ سارے شیعہ (جو کہ قم میں سکونت پذیر تھے) سب عرب تھے ان میں سے کوئی ایرانی نہیں تھا۔

یاقوت حموی شہر (قم) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی نوآبادیاتی شہر ہے اس میں پہلے سے عجم کا نام و نشان تک نہیں تھا، جس نے سب سے پہلے اس علاقہ کا رخ کیا وہ طلحہ بن احوص اشعری تھا اس کے اہل خاندان سب شیعہ تھے،حجاج بن یوسف کے زمانے ۸۳ھ میں اس کو بسایا تھا...جب ابن اشعث نے شکست کھائی اور شکست خوردہ حالت میں کابل کی طرف پلٹا تو یہ ان بھائیوں کے ہمراہ تھا جن کو عبد اللہ، احوص، عبد الرحمن، اسحاق، نعیم کہا جاتا تھا یہ سب سعد بن مالک بن عامر اشعری کی اولاد تھے ان بھائیوں میں نمایاں عبد اللہ بن سعد تھا اس کا ایک بیٹا تھا جو کہ کوفہ میں تھا اور قدری عقائد کا مالک تھا وہاں سے قم کی جانب ہجرت کر گیا یہ شیعہ تھا، اسی نے تشیع کو اہل قم تک پہنچایا لہٰذا قم میں کبھی کوئی بھی سنی موجود نہیں رہا ہے[2]۔

جیسا کہ حموی نے ثابت کیا کہ شہر ''ری'' میں شیعیت نہیں تھی یہ معتمد عباسی کے زمانے میں آئی ہے، وہ کہتا ہے کہ:اہل ری سب اہل سنت والجماعت تھے یہاں تک کہ احمد بن حسن مادراتی نے ری کو فتح کیا اور وہاں تشیع کو پھیلایا۔اہل ری کا اکرام کیا اوراپنے

[1] تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ج۱، ص۴۱
[2] معجم البلدان، ج۷، ص۱۵۹

سے قریب کیا، جب تشیع کے سلسلہ میں کتابیں لکھ دی گئیں تو لوگ اس حاکم کی طرف مائل ہوگئے۔ عبد الرحمن بن الحاتم وغیرہ نے اہل بیتؑ کے فضائل میں کتابیں تصنیف کی اور یہ حادثہ معتمد عباسی کے زمانے میں ہوا اور مادراتی نے شہر ری پر ۲۷۵ھ میں قبضہ کیا[1]۔ مقدسی اس بات پر تاکید کرتے ہیں کہ اکثر ایرانی حنفی و شافعی مذہب کے پیرو تھے، مقدسی نے ایرانیوں کے درمیان تشیع کی وجود کی طرف بالکل اشارہ نہیں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ میں نے مسلمانوں کی اکثریت صرف ان چار مذاہب کے پیروؤں میں دیکھی۔ مشرق میں اصحاب حنیفہ، مغرب میں اصحاب مالک، شوش و نیشاپور (ایران کے شہر) کے مراکز میں اصحاب شافعی، شام میں اصحاب حدیث، بقیہ علاقہ خلط ملط ہیں بغداد میں شیعیت و حنبلی کی اکثریت ہے، کوفہ میں کناسہ کے سوا کیونکہ وہاں سنی ہیں بقیہ سب شیعہ، موصل میں حنبلی اور کچھ شیعہ[2]۔ ابن فقیہ نے ایک اہم نص کے ذریعہ محمد بن علی کی زبانی جو کہ اموی حکام کے خلاف عباسی انقلاب کا قائد و سربراہ تھا ہمارے لئے ایک اہم اقتباس نقل کیا ہے وہ اپنے گورنروں کو ہدیات دیتے ہوئے اور ان کے محل حکومت کی تعیین کرتے ہوئے کہتے ہیں :کوفہ کی اکثریت علی اوراولاد علی کے شیعوں کا مرکز ہے، بصرہ کی اکثریت عثمانیوں کا گڑھ ہے جو نماز میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں، وہ تم سے کہیں گے کہ عبد اللہ مقتول بنو قاتل نہیں۔

جزیرہ عرب میں حروریہ اور جنگجو عرب ہیں اور اخلاق نصاریٰ کی صورت مسلمان ہیں، اہل شام صرف آل ابوسفیان کو جانتے ہیں اور بنی مروان کی اطاعت کرتے ہیں ان کی دشمنی پکی ہے اور جہالت اپنے گھیرے میں لئے ہے، مکہ و مدینہ میں ابوبکر و عمر کا سکہ چلتا ہے لیکن تمہاری ذمہ داری خراسان کے حوالے سے زیادہ ہے، وہاں کی تعداد زیادہ اور سخت جان ہیں ان کے سینے مضبوط اوردل قوی ہیں ان کو خواہشات تقسیم نہیں کرسکتی، عطا و بخشش ان کو ٹکڑوں میں بانٹ نہیں سکتی، وہ ایک مسلم فوج ہے وہ قوی جسموں کے مالک ہیں، وہ بھرے شانہ، دراز گردن، بلند ہمت، داڑھی مونچھوں والے، بھیانک آواز والے اور چوڑے دہانے کے شیریں زبان

---

[1] معجم البلدان، ج۳، ص۱۲۱

[2] احسن التقاسیم، ص۱۴۲۔ ۱۳۶

ہیں اس کے بعد میں چراغ کائنات اور مصباح خلق یعنی شرق کے بارے میں نیک فال سمجھتا ہوں[1]۔ معاصر محققین و مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبد اللہ فیاض کہتے ہیں کہ عرب خصوصاً کوفہ میں تشیع کے ظہور کی تائید کرنے والی اہم تاریخی دلیلیں یہ ہیں :۱۔ علیؑ کے وہ انصار جنھوں نے ان کی مدد جنگ میں ان کے دشمنوں کے مقابلہ کی ان کی اکثریت حجاز و عراق کے لوگوں کی تھی، علیؑ کے اہم عہدار یا سردار لشکر میں سے کسی ایک کے نام کی اطلاع ہم کو نہ ہوسکی جو ایرانی الاصل ہو۔

۲۔ ۶۰ھ میں جن لوگوں نے کوفہ سے امام حسینؑ کو خطوط لکھے تھے جیسا کہ ابو مخنف نے اپنی کتاب میں ان کے اسماء کا ذکر کیا ہے اس سے تو لگتا ہے وہ سب عربی قبائل کے سردار تھے جو کوفہ میں بسے ہوئے تھے۔

۳۔ سلیمان بن صرد خزاعی اور ان کے اصحاب جو توابین کی تحریک میں شامل تھے یہ سب کے سب عرب کے معروف قبیلوں میں سے تھے[2]۔ فلھوزن نامی مستشرق نے اسی آخری نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نخلیہ میں جو چار ہزار توابین جمع ہوئے تھے ان میں عرب قبائل کے افراد شامل تھے ان میں اکثریت قاریان قرآن کی تھی اوران میں سے کوئی ایک بھی غیر عرب نہ تھا[3]۔ ایرانیوں کے نفسانی رجحانات تشیع کی جانب مائل ہونے کے سلسلہ میں فلھوزن ہی کہتا ہے : یہ کہنا کہ شیعیت کے آراء ایرانیوں کے آراء سے موافق تھے تو یہ موافقت شیعوں کے ایرانی ہونے کی دلیل نہیں بلکہ تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں کہ تشیع شروع ہی سے دائرۂ عرب میں تھی اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے بعد حدود عرب سے باہر آئی ہے[4]۔

---

[1] مختصر کتاب البلدان، ص۳۱۵
[2] تاریخ الامامیہ، ص۶۸
[3] الخوراج والشیعہ، ص۱۹۴
[4] الخوارج و الشیعہ، ص ۲۴۰

عبد اللہ فیاض، سنیون سے نقل کرتے ہیں کہ: ہمدان ایک عظیم اور صاحب شان و شوکت قبیلہ تھا جو تشیع کا حامی تھا[1]۔ دوسری وجہ: دوسری وجہ جس کو محققین، تشیع کے ایرانی ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں وہ حضرت امام حسینؑ کا ایک ایرانی خاتون سے شادی کرنا۔ ڈاکٹر مصطفی شکعہ کہتے ہیں کہ: تشیع ابتداء میں سیاسی مذہب تھا نہ کی دینی عقیدہ ان کی دلیل یہ ہے کہ آج تک تمام ایرانی محبت آل علی پر اجماع کئے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایرانی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حسینؑ کے برادر نسبتی ہیں اس لئے کہ انھوں نے شہر بانوں بنت یزدجرد سے شادی کی تھی، جب وہ مسلمانون کے ہاتھوں اسیر ہوکر آئیں تھیں، آپؑ کے بطن مبارک سے علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے، اس لحاظ سے ایرانی سب علی بن حسینؑ کے ماموں ٹھہرے، اس طرح سے ان کی بیٹی کے بیٹے اور تشیع کے درمیان گہرا ربط پیدا ہوگیا، لہٰذا ان کا شیعہ مذہب اختیار کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان لوگوں نے خالص شیعیت اختیار کی تھی، بلکہ ان کا تشیع قبول کرنا عصبیت کی بناء پر تھا عقیدتی تشیع نہیں تھا، اور تعصبی تشیع، سیاسی تشیع کے مساوی ہے، لہٰذا فکر تشیع ایران کی جانب سے کم از کم خالص سیاسی تشیع ہے، بلکہ بعض ایرانیوں نے علی بن الحسین زین العابدینؑ کی مدد کا اعلان کیا جب انھوں نے دیکھا کہ ایران، امام حسینؑ کے گھرانے سے نسبی اعتبار سے مربوط ہیں[2]۔

ڈاکٹر شکعہ کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام شیعہ صرف ایرانی نہیں تھے کہ شکعہ کی اس تحلیل کو قبول کیا جا سکے کہ اگر ایرانیوں نے تشیع صرف ''ماموں'' کے رشتے کے سبب قبول کیا اس لئے کہ ان کے اور علی بن الحسینؑ کے بیچ ایک رشتہ تھا، تو دیگر غیر ایرانی شیعہ حضرات کے بارے میں کیا کہیں گے خصوصاً ان عربوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو ایرانیوں کے شیعہ ہونے سے پہلے شیعہ کہلاتے تھے؟

دوسری بات یہ کہ اگر حضرت امام حسینؑ کی جناب شہر بانوں سے شادی ایرانیوں کے شیعوں ہونے کا سبب تھی تو صرف امام حسینؑ ہی نے ایرانی شہزادی سے شادی نہیں کی تھی بلکہ وہاں پر دوسرے ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے ایرانی شہزادیوں سے شادی کی

[1] تاریخ الامامیہ عن خطط الکوفہ، ص ۱۶
[2] اسلام بلامذہب، ص۱۷۳

تھی جو کہ مدینہ اسیر ہوکر آئیں تھیں۔ عبد اللہ بن عمر نے سلافہ (شہر بانو) کی بہن سے شادی کی تھی اوران سے سالم پیدا ہوئے تھے اگر حسین خلیفہ مسلمین کے فرزند تھے تو عبد اللہ بن عمر بھی تو فرزند خلیفہ تھے جو (بظاہر) حضرت علیؑ سے پہلے خلیفہ تھے۔اسی طرح محمد بن ابی بکر نے سلافہ (شہر بانو) کی دوسری بہن سے شادی کی اور ان سے معروف فقیہ قاسم پیدا ہوئے، خود محمد بن ابی بکر بھی تو خلیفہ کے بیٹے تھے اور ان کے باپ تو عبد اللہ بن عمر کے باپ سے پہلے خلیفہ تھے عمر بن الخطاب کے زمانے میں تین شادیاں ہوئیں[1]۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دلیل بھی باطل ہے، لہٰذا تشیع کو ایرانیوں کے نام سے منسوب کرنا بالکل غیر منطقی ہے۔

خاتمہ

جو کچھ گذر چکا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تشیع کا وجود سرکار ختمی مرتبت کی حیات میں تھا آپؐ نے اس کو پالا پوسا اور حضرت علیؑ کی منقل اس میں مدد شامل تھی اور لوگوں کواس جانب دعوت دی اور اس بات کی خبر دی کہ یہ حق پر ہے اوران کے شیعہ کامیاب ہیں۔ حضرت علیؑ کی وصایت عبد اللہ بن سبا کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ ابتدائے اسلام سے ہی حضور نے اس کی صراحت فرما دی تھی، کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن سبا موجود یا موہوم سے جب اصحاب نے رسولؐ کے وصی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں وصی کی خبر دی، یہاں تک کہ حضرت علیؑ وصی کے نام سے مشہور ہوگئے اور شعراء نے اس کو بہت الاپا اور یہ لفظ لغت کی کتابوں میں بھی داخل ہوگیا۔ابن منظور کے بقول: حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا ہے[2]۔

زبیدی کہتا ہے: وصی غنی کی طرح ہے جو علی کا لقب تھا[3]۔ابن ابی الحدید نے دس ایسے اشعار کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جس میں اصحاب نے حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا ہے[4]۔ شروع کے شیعہ حضرات سابق الایمان اور عظیم اصحاب تھے اور

---

[1] وفیات الاعیان ، ج۱، ص۴۵۵، ط، بولاق
[2] لسان العرب، ج ۱۵، ص۳۹۴
[3] تاج العروس، ج۱۰، ص۳۹۲
[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ۱۴۳

یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے علی،کے خط تشیع پر عمل کیا اور لوگوں کے درمیان اس کی تبلیغ کی، ابتدائی شیعہ سب اصیل عرب تھے۔ گولڈ شیارڈ کہتا ہے: تشیع اسلام کی طرح عربی ہے اور اس کی نشو و نما عرب ہی میں ہوئی ہے[1]۔

جو لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس بات کا اظہار کریں کہ ایرانی، تشیع میں صرف اس لئے داخل ہوئے تھے کہ اسلام کو ختم کردیں اور اپنے مجوس عقائد کو اسلام میں شامل کردیں،ان کے لئے عرض ہے کہ اہلسنت کی عظیم شخصیات سب ایران کی رہنے والی تھیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابو حنیفہ وغیرہ اوران کے علاوہ دیگر فقہاء و محدثین سب ایرانی تھے اگر ایرانیوں کا مقصد اسلام کو ڈھانا تھا تو ایران کے رہنے والے اہل سنت کی ان عظیم شخصیتوں کا بھی نصب العین وہی ہونا چاہئے... ہم تو صرف ان کے دعوؤں کو مصداق دے رہے ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ تشیع خط اسلام پر سالک ہے اور انحراف سے بہت دور ہے اور روز و شب کی گردش کے ساتھ خود ساختہ شکوک و شبہات کا سامنا کرتا رہا ہے یہاں تک کہ خدا اپنا فیصلہ ظاہر کرے گا۔

[1] العقیدة والشریعہ فی الاسلام، ص۲۰۵

مصادر و منابع

۱۔ لسان العرب،ابن منظور

۲۔السیرۃ النبویۃ،لاحمد زینی دحلان

۳۔ السیرۃ الحلبیۃ،لبرہان الدین حلبی

۴۔ مغازی،واقدی

۵۔ مسند احمد (احمد بن حنبل)

۶۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری

۷۔ صحیح مسلم (مسلم بن الحجاج القشیری)

۸۔ سنن ابن ماجۃ،ابن ماجہ قزوینی

۹۔ المصنف،ابن ابی قتیبہ

۱۰۔ المسند، حمیدی

۱۱۔ المسند،ابی یعلی

۱۲۔ طبقات الکبریٰ،ابن سعد

۱۳۔ تاریخ یعقوبی، ابن واضح یعقوبی

۱۴۔ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر

۱۵۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید المعتزلی

۱۶۔ کنز العمال، متقی ہندی

۱۷۔ انساب الاشراف، بلاذری

۱۸۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر

۱۹۔ مختصر تاریخ دمشق، ابن منظور

۲۰۔ المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشاپوری

۲۱۔ جامع ترمذی، (ترمذی)

۲۲۔ سنن نسائی، احمد بن شعیب نسائی

۲۳۔ سنن دارمی (دارمی)

۲۴۔ الصواعق المحرقہ، ابن حجر ھیثمی مکی

۲۵۔ مجمع الزوائد، نور الدین ھیثمی

۲۶۔ فیض القدیر، مناوی

۲۷۔ حلیۃ الاولیاء، ابی نعیم

۲۸۔ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی

۲۹۔ ذخائر العقبیٰ، محب الطبری

۳۰۔ ریاض النضرۃ، محب الطبری

۳۱۔ اسد الغابہ، ابن اثیر

۳۲۔ اسباب النزول، واحدی

۳۳۔ السنن الکبریٰ، بیہقی

۳۴۔ السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام

۳۵۔ المعجم الکبیر، طبرانی

۳۶۔ البدایہ و النہایہ، ابن کثیر دمشقی

۳۷۔ مصابیح السنہ، بغوی

۳۸۔ مشکاۃ المصابیح، سبط ابن جوزی

۳۹۔ تذکرۃ الخواص، سبط ابن الجوزی

۴۰۔ فضائل، احمد بن حنبل

۴۱۔ مسند طیالسی، (الطیالسی)

۴۲۔ تفسیر الطبری، ابن جریر الطبری

۴۳۔ الاموال، (ابو عبید)

۴۴۔ المنتظم، ابن الجوزی

۴۵۔ المعجم الاوسط، طبرانی

۴۶۔ الاستیعاب، ابن عبد البر

۴۷۔ الفردوس بمأثور الخطاب، دیلمی

۴۸۔ معرفۃ الصحابۃ، ابی نعیم

۴۹۔ شرح المواہب اللدنیہ، زرقانی

۵۰۔ فرائد السمطین، للحموئی

۵۱۔ نظم درر السمطین، جمال الدین الزرندی

۵۲۔ فصول المہمہ، ابن صباغ مالکی

۵۳۔ احیاء علوم الدین، غزالی

۵۴۔ کنوز الحقائق، مناوی

۵۵۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی

۵۶۔ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن حجر عسقلانی

۵۷۔ کفایۃ الطالب، گنجی